U303

itle - GUZASHTA AUR MAUJOODA ZAMANE KE MUSALMAN

uthor - Mohd. Ismail Khan.

ublisher - Mohammadan Press (Aligarh).

Date - 1895.

Pages - 53.

Subjects -

گذشتہ اور موجودہ زمانے کے مسلمان

جسکو

آنریبل حاجی محمد اسمعیل خانصاحب ممبر اوف لیجسلیٹو کونسل ممالک مغربی وشمالی و اودھ

رئیس علی گڈہ نے اول علی گڈہ گزٹ میں اور بعد نظر ثانی و اصلاح کے
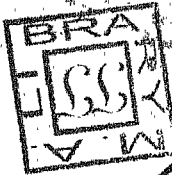
بطور رسالے کے

محمڈن پریس علی گڈہ میں طبع کرایا

سنہ ۱۸۹۵ع

ماخوذ از علی گڈہ گزٹ مطبوعہ ۱۹- اپریل ۱۸۹۵ء

گذشتہ اور موجودہ* زمانے کے مسلمان

آج کل یہ سوال بہت متداول اور ضرور قابل غور ہے کہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے ابتدا میں یعنی ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں نے ہر قسم کی ترقی کی اور اپنی عزو شان کو بڑھایا اور کیا بات ہے کہ آخری صدیوں یعنی زمانہ موجودہ میں مسلمانون نے اسی طرح پر تنزل اختیار کیا اور ہر قسم کی ذلت و نکبت کی حالت میں مبتلا ہیں۔

اگر ابتدائی صدیوں میں باعث ترقی صرف اسلام ہی تہا تو وہ اب بھی موجود ہے اور کرۂ ارض پر قریب ۱۸ کرور کے آدمی اُس مذہب کے پابند پائے جاتے ہیں مگر حالت سبکی پریشان اور خراب ہے۔

اگر موجودہ زمانے کی خواری کا باعث اسلام ہے تو کیا وجہ تھی کہ ابتدائی صدیوں میں کسی قوم کا صرف مسلمان ہی ہو جانا اُسکی حصول شان و جلال کے واسطے ایک کافی ذریعہ

* موجودہ زمانے کے مسلمانوں سے صرف ہندوستان کے مسلمان مراد ہیں مگر یہ کہ فحوائے کلام سے سوا اسکے ثابت ہو۔

ہوجاتا تھا۔

اصل میں یہ غلطی ہوگی اگر اس سوال کو صرف مذہب اسلام کے ساتھہ محدود کر دیا جاوے بلکہ جمیع مذاہب یا اقوام کی ترقی اور تنزل کے اسباب پر غور کرتے وقت یہ سوال پیش ہوسکتا ہے مثلاً عیسوی مذہب کا یہ حال ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنی تمام عمر کی محنت اور جانفشانی میں صرف مچھلی پکڑنے والوں یا اس قسم کے اشخاص میں سے چند کو اپنے پیروؤں میں داخل کر پایا تھا اور پھر کئی صدی تک اُن کے معتقدوں کی کچھہ بھی عزت یا وقار نہ تھا۔ لیکن اب ایک یہ صدی ہے کہ جس میں صرف عیسائی مذہب کے نام کے ساتھہ دولت و حشمت عز و شان کا خیال ہر ایک انسان کے دل میں خود بخود پیدا ہوجاتا ہے گویا کہ عیسائی مذہب کے ساتھہ ترقی و اقبال وابستہ ہیں۔

یہی حالت جمیع مذاہب اور عقاید کی ہے کہ ایک ہی فرقہ ایک ہی زمانے میں معزز اور دوسرے زمانے خراب وخستہ رہا ہے۔

یہ امور اس بات کے قرار دینے کے واسطے کافی ہیں کہ کوئی مذہب یا عقیدہ فی حد ذاتہ نہ باعث ترقی ہوسکتا اور نہ سبب تنزل اور مذہب کو کوئی دخل اس میں نہیں ہے۔

بلکہ دنیوی ترقی و تنزل جداگانہ شے ہے جو کہ ہر ایک زمانے کے موجودہ اشخاص کے چال چلن سے پیدا ہوتی ہے اسوجہ سے تمام اُن اشخاص کو جن کو مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے کے اسباب کی تحقیقات منظور ہے۔ صرف اسی بات پر غور کرنا کافی ہے کہ کیا وہ فرق ہے جو ترقی کردہ اور تنزل یافتہ مسلمانوں کی عادات و خصائل میں معلوم ہوتا اور پایا جاتا ہے۔

موجودہ بحث کے متعلق ذیل کے چند واقعات آرار الملل ایک ترکی زبان کی کتاب سے ترجمہ کی گئی ہیں جس کو سری پاشا کریدی نے حال ہیں تصنیف کیا ہے اور جو کہ ۱۳۰۳ھ ہجری ہیں چھاپی گئی ہے

کتاب موصوف میں اُن اہم اختلافات کو جمع کیا ہے جو زمانۂ رسول پاک اور زمن صحابۂ کرام میں واقع ہوئے۔

مصنف ارار الملل کا لکھنا ہے۔

اسامہ بن زید کی سپہ سالاری کے عہدہ پر مقرر ہونے پر اختلاف ہوا۔ حوالی شام میں رہنے والے قضاعہ قبیلہ کی تادیب کے واسطے فخر عالم نبی پاک نے جبکہ ایک فوج کا بھیجنا قرار دیا تو اسامہ بن زید کو سر عسکر مقرر فرمایا حالانکہ اُسی لشکر کے سرداروں میں مہاجرین اور انصار میں سے بہت سے صحابی تھے۔

گروہ منافقین نے اس بنا پر صحابۂ کرام میں تفرقہ ڈالنے کے واسطے اعتراض کرنا شروع کیا کہ دیکھو حضرت نے اجلہ مہاجرین اور انصار کو ایک غلام (یعنی اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ) کی ہمرکاب مقرر کیا ہے۔ اور مہاجرین و انصار پر اُس کو فوقیت دی ہے اگرچہ رسول پاک نے ان منافقوں کو جھڑکا اور فرمایا کہ جو کوئی اسامہ کے لشکر سے مخالفت کریگا ملعون ہے مگر چونکہ آپ کی طبیعت مبارک روز بروز جادۂ اعتدال سے منحرف ہوتی جاتی تھی۔ اور اس خوف سے کہ شاید آپ کی رحلت کیوجہ سے انتظام و تسلط قائم رکھنے کے لیئے فوج کی حاجت ہو اس لشکر کی تیاری آہستہ آہستہ و بتدریج کی جاتی تھی۔ لیکن مشیت ایزدی یہی تھی کہ اس عرصہ میں رسول

مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وفات فرمائی۔ اور جیسا کہ خوف تھا قبائل عرب میں سے بعض نے عموماً اور بعض نے فردعی طور پر اظہار ارتداد کیا۔ صرف قریش اور بنی ثقیف دو ہی ایسے قبیلے تھے کہ مجموعاً ثابت قدم رہے لیکن ایک طرف سے وفات نبی کریم اور دوسری طرف سے اپنی تعداد کی قلت کے سبب سے یہ لوگ ایک نہایت یاس اور پریشانی کی حالت میں تھے۔

ایسی حالت میں ایک دن صحابہ کبار نے بعد مشورت باہمی حضرت صدیق اکبر سے عرض کیا کہ ایسے وقت میں مسلمانوں کی جماعت کا متفرق کر کے اسامہ کے لشکر کو روانہ کرنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ لیکن حضرت صدیق کے اس طرح پر فرمانے سے کہ "اگر مجکو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تنہائی کے سبب درندوں کا طعمہ ہو جاؤنگا تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کے اتباع کے واسطے بالضرور اسامہ کا لشکر روانہ ہی کرونگا" باب مناظرہ بالکل بند ہو گیا اور حضرت اسامہ مع اپنے لشکر کے مدینہ طیبہ سے باہر جرف نام مقام پر خیمہ زن ہوئے۔

حضرت عمر بن خطاب بھی اسی فوج کے سرداروں میں تھے جنکو حضرت اسامہ نے بحیثیت سر عسکر فرمایا کہ تم مدینہ طیبہ جاؤ اور خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کرو کہ مسلمانوں کے اعیان و اعزہ سب میرے لشکر میں ہیں اور اسوجہ سے مدینہ خالی رہا جاتا ہے اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ حرم نبوی و دیگر مسلمانوں پر مشرکین ہجوم اور تسلط کر لینگے۔"

جبکہ حضرت عمر اس پیام کو لیکر مدینہ طیبہ میں واپس آئے تو اسکا چرچا ہوا اور اسامہ کی اس درخواست کو اُن کی ناتجربہ کاری سے منسوب کیا اور لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ملکر یہ بھی فرمائیے کہ بجائے اسامہ کے کوئی اور معمر شخص

سرِعسکر مقرر ہونا مناسب ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کی خدمت میں آکر اول حضرت اسامہ کا پیام عرض کیا جس کے جواب میں صدیق اکبر نے وہی
جواب ارشاد کیا کہ تنہائی کے سبب سے اگر درندوں کا کھایا ہوا جاؤں تب بھی رسول اللہ کے حکم کے
خلاف جیش اسامہ کو نہیں واپس لونگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جواب پا لینے کے بعد اُمرا
انصار کی التجا کو بھی بیان فرمایا۔

اس دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹھنے کی جگہہ سے اُٹھہ کھڑے ہوئے اور
غصہ کی حالت میں فرمانے لگے کہ اے خطاب کے بیٹے جس شخص کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے امیر جیش مقرر فرمایا اُس کے تبدیل کرنے کی درخواست کرنے پر تجکو کس طرح جرأت ہوئی
اور خود بہ نفس نفیس فرودگاہ لشکر (یعنی مقام جرف) پر تشریف لے گئے اور سرِعسکر سے ملے اور
اُن کے اور لشکر کی طرف مخاطب ہو کر یہ خطبہ فرمایا کہ جس ملک میں داخل ہو اُس کے بچوں عورتوں
بوڑھوں اور گرجوں میں جو لوگ عبادت کر رہے ہوں اُن کی جانوں کی حفاظت کرنا اور اُن جیوانات
کی ماداؤں کو جن کا گوشت کھایا جاتا ہے بغیر ضرورت ذبح نکرنا اور درختوں کو کاٹ کاٹ کر نہ
جلانا اور آخر میں فرمایا کہ جو کچھہ میں نے یہ حکم کیئے ہیں اُن کی حفاظت (یعنی پابندی) کرنا غرضکہ لشکر
روانہ ہوا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے پیادہ پا اُس کی مشایعت کی۔

حضرت اسامہ نے خلیفہ کے پا پیادہ چلنے سے شرمندہ ہو کر عرض کیا کہ یا تو آپ بھی
سوار ہو لیں اور یا مجکو بھی پیادہ پا چلنے کا حکم دیں کہ میں بھی گھوڑے پر سے اُتر لوں۔ حضرت ابوبکر
صدیقؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم ہے نہ تو تجکو گھوڑے پر سے اُترنے دونگا اور نہ میں سوار ہونگا اور

اُسی طرح پاپیادہ آپ دور آگے تک چلے۔ لیکن واپسی کے وقت آپ نے اسامہ سے یہ خواہش کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میری مدد کے واسطے میرے پاس چھوڑ جائیں چنانچہ اسامہ نے اسکو پسند کیا اور اس طرح پر صدیق اکبرؓ مع عمر فاروقؓ کے مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لائے

اس لشکر اسلام کی اس طرح پر روانگی سے فائدہ عظیم حاصل ہوا۔ کیونکہ جن قبائل عرب کے دلوں میں نفاق تہا وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر مسلمانوں کے پاس کافی قوت نہوتی تو ایسے نازک زمانے میں ایسے لشکر کو اپنے گھر سے باہر روانہ کرتے۔

یہاں پر عبارت ارار الملل کی ختم ہوتی ہے۔

گو بظاہر یہ باتیں معمولی ہوں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے یہی وہ باتیں ہیں کہ جو اس زمانے کے مسلمانوں میں مثل عنقا کے ناپید ہیں اور یہی وہ باتیں ہیں جن کے فقدان سے موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی حالت بدتر از بدتر ہے۔

جس بات پر کہ سب سے اول نظر پڑتی ہے وہ آزادی رائے ہے کہ باوجودیکہ اسامہ کا سپہ سالار کرنا خود رسول پاک کا فعل تھا مگر جن کے نزدیک اس میں قباحت تھی اُس کا صاف صاف کہدینا اُن کی آزادی رائے کے واسطے کافی ثبوت ہے۔ دوم قابل لحاظ استقلال و ہمت ہے باوجودیکہ حضرت اسامہ بن زید کے تقرر سے سب لوگ ناراض تھے اور ایسے نازک وقت میں عام رائے کے اتباع نکرنے سے زیادہ خوف ہوسکتا تہا مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسپر التفات نہیں کیا اور اُنکو اسی طرح پر امیر لشکر رکھا۔ سوم جو بات قابل غور ہے وہ اتباع حکم سردار ہے یعنی باوجودیکہ انصار اور دیگر صحابہ نے حضرت اسامہ کے سپہ سالار رکھنے میں مخالفت کی اور اگر یہ لوگ ضد کرتے

توحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت نہایت نازک ہوجاتی مگر جبکہ حضرت ابوبکرؓ نے اُن کی رایوں اور مشوروں کو نہ مانا تو پھر کسی نے بھی اسپر ضد نہ کی۔ حالانکہ اسامہ کی سپہ سالاری حضرت عمرؓ کو ایسی ناپسند تھی کہ آپ نے اپنی خلافت میں حضرت اسامہ کا عزل بہت جلد کر دیا۔ پھر ام باوجود فاتح ہونے کے یہ حکم دینا کہ عاجزوں پر ظلم نہو یعنی بچوں عورتوں اور حتیٰ کہ عبادت کرنیوالے مشرکین اور کفار کی بھی جان بخشی کی جائے یہ سب باتیں تھوڑی نہیں ہیں اور بیشک جس قوم میں یہ صفات موجود تھیں اُس کی ترقی کا روکنے والا کون ہوسکتا تھا۔

اب اگر موجودہ زمانے کے مسلمانوں اور علی الخصوص ورثۃ الانبیا کے حالات کو اس سے مطابق کیا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ دنیا اور ہے اور وہ دنیا ہی دوسری تھی۔

غیبت اور پس گوئی یا گستاخی و دریدہ دہنی نے آزادی رائے کیواسطے جگہہ ہی باقی نہیں رکھی۔ ضد کج بحثی۔ حسد او بغض۔ اطاعت کی جگہہ قائم ہوگئے ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ ہمکو موقع نہیں ملتا۔ لیکن اگر ایسا ہو تو سب سے اول وے لوگ واجب القتل و غارت قرار دیئے جائیں جن کی جان بخشی کا حکم خلیفۂ اول نے فرمایا تھا یعنی اپنے گرجوں اور مندروں میں عبادت کرنے والے۔

جب یہ حالت ہے تو پھر اس سوال کی ضرورت کیا ہے کہ آخری زمانے کے مسلمان کس واسطے ابتری و تنزل کی حالت میں ہیں۔

علی گدہ انسٹیٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۲۳ و ۳۰ اپریل ۱۸۹۵ء

ذیل کی واقعات تاریخی ارالملل مذکور سے بطور ترجمہ کے اخذ کی گئی ہیں۔

وہ اختلافات جن سے کفر اور ایمان لازم نہیں آتا۔

تمام کتب سیر نبوی اور شرح مواقف میں بیان کیا گیا ہے کہ سب سے اول جو اختلاف بین المسلمین ہوا وہ وصیت کے متعلق تہا جسکا بیان اسطرح پر ہے۔

جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں بہت شدت ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو اپنے حضور میں طلب فرما کر دعا اور نصائح فرمانے کے بعد ارشاد کیا "ائتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی ابدا" یعنی مجکو کاغذ و دوات دو تاکہ میں تمکو ایک تحریر لکھدوں کہ بعد میرے تم گمراہ نہو۔

یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ آپ کیا وصیت نامہ لکہنا چاہتے تھے اور آپ کا مافی الضمیر کیا تھا حضرت عمر بن الخطاب نے خدا جانے کن خیالات کی بنا پر یہ فرما کر کہ (اسوقت رسول خدا کی حالت شدت مرض کے سبب سے بے اختیاری کی سی ہے اور ہمارے واسطے کتاب اللہ کافی ہے) وصیت نامہ کے تحریر کرانے سے مخالفت کی۔ حاضرین صحابہ کرام میں کسی طرف سے تو ارشاد نبوی کی تعمیل کے واسطے قلم دوات حاضر کرنے اور کسی کی طرف سے حضرت عمرؓ کی رائے کو مستحسن خیال کرنے کے سبب سے اسقدر بحث بڑہی کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض ہو کر فرمایا کہ میرے پاس سے سب اُٹھ جاؤ نبی کے حضور میں نزاع کرنا نہیں چاہیئے۔

آپ کی ناگواری کا خیال کر کے صحابۂ کرام اٹھ تو آئے مگر پھر مکرر حاضر ہوئے اور وصیت
کرنے کی التجا کی مگر فخر عالم نبی پاک نے وصیت نہیں کی اور یہ فرمایا کہ "میرا پیچھا چھوڑو کیونکہ
جس حال میں میں ہوں وہ اُس سے بہتر ہے جس کی تم درخواست کرتے ہو۔"

خلافت میں اختلاف۔

انصار میں سے بعض اصحاب رسول پاک کی رحلت کے دن بنی ساعدہ کے صفہ پر اس
غرض سے جمع ہوئے کہ اپنے گروہ میں سے کسی شخص کو امیر منتخب کریں۔ سعد ابن عبادہ جو
خزرج قبیلے کے شیخ اور سردار تھے باوجود بیمار ہونے کے وہاں پر تشریف لائے اور کہا کہ
اے جماعت انصار جو فضل و مزیت تمکو دینا حاصل ہے وہ دوسرے قبیلوں کو نہیں ہے محمد
صلے اللہ علیہ وسلم نے برسیں اپنی قوم میں صرف کیں۔ اُن کو دین کی دعوت کی تاہم انہیں
سے بہت کم ایمان لائے اور وہ بھی جہاد کرنے اور دین اسلام کی عزت بڑھانے پر قادر نہیں
ہوئے۔ خدا تعالے نے تمکو شرف اسلام سے مشرف کیا اور رسول اکرم اور اصحاب کی حفاظت
تمکو میسر ہوئی۔ دشمنوں پر تمہیں نے سب سے زیادہ شدت دکھائی اہل عرب نے چار و ناچار
تمہاری ہی تلواروں کے سایہ میں اطاعت قبول کی اور رسول اکرم زمانۂ وفات تک تمسے
راضی اور خوشنود رہے غرض اب امارت و ریاست تمہارا حق ہے اسکو دوسروں کو نہ دینا۔

جو انصار اُسوقت موجود تھے اُنہوں نے اس رائے کے صواب ہونے کی تصدیق کی
اور کہا خدائے تعالے رحمت لائے اور کہا کہ ہم تمکو امارت کے واسطے انتخاب کرینگے۔

لیکن قبیلہ (اوس) کو تردد ہوا اور اپنے شیخ یعنے اسید بن حضیر کے پاس جا کر جمع

ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر امارت خزرج قبیلہ کے ہاتھ میں ایک دفعہ آگئی تو ہمیشہ تحکم کرینگے اور ہمکو ہرگز نہیں پوچھینگے۔

مہاجرین کا حال یہ تہا کہ وہ انصار میں سے کسی کی بھی امارت قبول کرتے نظر نہ آتے تھے کیونکہ قریش اشرف قبائل عرب میں ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے قبیلہ کے تحت امر ہو نہیں سکتے تھے۔ اور معاملات کی صورت یہ تھی کہ سعد بن عبادہ کے خطبے نے جماعت انصار میں بڑا اثر پیدا کر دیا تھا اور قریب تھا کہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کیجائے۔ اور اگر ایسا وقوع میں آتا تو اُس قبیلے کو ضرور رشک ہوتا اور اگر یہ دونوں قبیلہ کسی طرح پر اتفاق بھی کر لیتے تو مہاجرین ان سے ضرور اختلاف کرتے غرض کہ اہل اسلام میں تفرقہ عظیم پیدا ہونیوالا تھا حضرت عمرؓ الفاروق کو جبکہ انصار کی اس جمعیت کی خبر پہنچی تو آپ رسول پاک کے گھر پر گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو بلا کر اس حال سے خبردار کیا۔ صدیقؓ اکبر حضرت ابو عبیدہ او عمر الفاروق کو ہمراہ لیکر بنی ساعدہ کے صفہ پر تشریف لائے۔

ان تینوں صحابہ کرام کے بایں ہیئت مجموعی تشریف لانے نے اہل مجلس پر اسطرح کا اثر کیا گویا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے رسول پاک کی عادت کے بموجب حمد و ثنا الہی کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ امت اول پتھر اور لکڑی کے بتوں کو پوجا کرتی تھی۔ خدائے تعالے نے اپنی عبادت کرانے اور اپنی توحید کی تعلیم کے واسطے اس میں رسول بھیجا۔ قوم عرب کو آبائی دین کا ترک کرنا ناگوار ہوا۔ حق تعالے نے مہاجرین اولین کو ایمان سے ممتاز کیا یہ لوگ پیغمبر کے یار و غمگسار ہوئے اور اُس کے ساتھ

مشرکین کی ایذائیں اور تکلیفیں جھیلیں غرض ابتدا روئے زمین پر حق کے پوجنے والے اور رسول پر ایمان لانے والے یہی ہیں۔ رسول اکرم کے یار و فادار اور سچے مددگار یہی ہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ اسپر کوئی نزاع نہیں کرسکتا مگر وہ جو کہ ظالم ہو۔

اے انصار! تمہاری فضیلت اور تقدیم کا بھی انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ جناب الہی نے تمکو دین اور رسول کی نصرت کے واسطے انتخاب کیا۔ ہمارے نزدیک بھی مہاجرین اولین کے بعد تمہارا ہی رتبہ ہے اور کسی کا نہیں ہے اور چونکہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی اسواسطے تمہارا دعوی افضل۔ اشرف۔ درست اور بجا ہے اسمیں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ لیکن امارت کی بحث میں قبائل عرب صرف قریش ہی کو جانتے ہیں کسی دوسرے کی امارت کو قبول نہیں کرینگے کیونکہ قریش کی قوم حسب نسب میں سب سے افضل ہے۔ اور انکا ملک جزیرہ عرب کے وسط میں ہے۔ ہم امرا ہیں تم وزرا ہو کسی مشورے یا صلاح کے وقت تم فراموش نہیں کیئے جاؤگے اور بغیر تمہاری رائے لیئے کوئی کام نہیں کیا جائیگا۔

حضرت عمرؓ نے بھی انصار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت مرض میں تمہارے واسطے ہم کو وصیت کی اگر تم امیر ہونے والے ہوتے تو ہماری نسبت تم سے وصیت کی گئی ہوتی۔

ان تقریروں کی وجہ سے انصار گھبرا گئے اور سوچ میں پڑ گئے مگر اُن میں سے حباب بن منذر بن جموح اٹھے اور انہوں نے اُن خدمات کو جو انصار نے کی تھیں مکرر بیان کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ ایک امیر اوس اور خزرج قبیلے میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے ہو

حضرت عمرؓ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ ایک منصب پر دو امیر نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں جس قبیلہ میں سے پیغمبر تھے اُسی قبیلہ میں سے امیر بھی ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوا تو واللہ کہ قوم عرب اطاعت نہیں کریگی۔

حباب بن منذر نے اس کی تردید کی اور کہا کہ اسے انصار! قوم عرب نے اس دین کی اطاعت تمہاری تلواروں کے ذریعہ سے کی اس لیئے اپنے حق کو دوسروں کو ہرگز نہ لینے دو۔

حضرت عمرؓ نے اسکا سخت جوابدیا۔ اور جبکہ نوبت گفت شنید زیادہ پہنچی تو ابو عبیدہ نے ان باتوں کو روک کر کہا کہ اے معشر انصار اللہ سے ڈرو" انتم اول من آمن ونصر فلا تکونوا اول من بدل وغیر۔

اس معقول تقریر نے حضار کے دل پر بہت اثر کیا اور انصار میں سے بشیر بن سعدؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے اصحاب تم کو غور کرنا چاہیئے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی ہیں اسی وجہ سے خلافت کے باب میں اُنہیں کی قوم احق واولی ہے۔ ہماری فضیلت جو امر جہاد و نصرتؐ میں ہے اُس سے کوئی انکار نہیں کرتا۔ لیکن ہمارا مقصد اس سے صرف رضائے الٰہی تھا جس کے عوض میں دنیا نہیں لینا چاہیئے اور نہ دنیا کے واسطے ہمکو اہل حق کا تعرض کرنا مناسب ہے*

حباب بن منذر نے اسپر یہ اعتراض کیا کہ اے بشیر تو اپنے چچا زاد بھائی یعنے سعد بن عبادہ کیساتھہ حسد ونفسانیت کرتا ہے جس کے جواب میں حضرت بشیر نے فرمایا کہ معاذ اللہ! یہ بات نہیں ہے بلکہ صرف حق وغصب کے واسطے مخلوق میں تنازعہ پیدا ہونے کو میں مکروہ جانتا ہوں۔

غرضکہ اس گرما گرم بحث و بحث کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق کھڑے ہوئے اور اہل مجلس سے (حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا کہ میں ان دونوں کو پیش کرتا ہوں کہ ان میں سے ایک کو منتخب کر لو لیکن اُن دونوں نے عذر کیا اور کہا جس شخص کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پیشوا کیا ہو اُس کے آگے کون بڑہ سکتا ہے اس قیل و قال پر بہی مگر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت بیان کر کے حضرت ابوبکر سے التجا کی کہ ہاتھ آگے بڑھاؤ تاکہ ہم لوگ بیعت کریں بشیر بن سعد نے سبقت کی اور سب سے اول بیعت کی۔ بیعت کے دوسرے روز حضرت ابوبکر منبر پر کھڑے ہوئے اور خطبہ فرمایا۔

اہل سیر کے یہاں اس پر اتفاق ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی وفات تک حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اور زبیر۔ عتبہ بن ابی لہب۔ خالد بن سعید بن العاص۔ مقداد بن عمرو۔ سلمان فارسی۔ ابوذر۔ عمار بن یاسر۔ براء بن عازب۔ ابی بن کعب یہ سب کے سب حضرت علی کی خلافت کی طرف مائل اور حضرت ابوبکر کی خلافت کے مخالف تھے۔

عتبہ بن ابی لہب نے اس باب میں ذیل کے اشعار میں بنی ہاشم اور خصوصاً حضرت علیؓ کی طرف اپنے میلان کو ظاہر کیا ہے۔

ما كنت احسب ان الامر منصرف	عن هاشم ثم منهم عن ابي حسن
عن اول الناس ايمانا و سابقة	و اعلم الناس بالقرآن و السنن
و آخر الناس عهدا بالنبي و من	جبريل عون له في الغسل و الكفن
من فيه ما فيهم لا يمترون به	و ليس في القوم ما فيه من الحسن

زکوۃ یعنی خراج معین کے نہ دینے کی حالت میں اعراب سے مقاتلہ کے باب میں اختلاف

قبائل عرب میں سے بعض نے ایفاء نماز کی تو موافقت کی مگر اداے زکوۃ سے انکار اسپر بعض صحابہ کی یہ راے تھی کہ زکوۃ نہ دینے والے سے مقاتلہ کرنا چاہیئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس گروہ میں تھے اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ انسے محاربہ کرنا نہیں چاہیئے اور حضرت عمرؓ اس دوسرے گروہ میں تھے از انجملہ یعنی زکوۃ ادا کرنے سے انکار کرنے والوں میں سے ایک شخص ملک یمن کا رہنے والا مالک بن نویرہ نامی قبیلہ بنی یربوع کا رئیس تھا جو شاعر مزاج تھا اور جس کی ایک نہایت خوبصورت بیوی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسپر لشکر روانہ فرمایا جس کے سر عسکر حضرت خالد ابن ولید مقرر ہوئے تھے حضرت خالد اور مالک سے جبکہ ملاقات ہوئی تو مالک بن نویرہ نے کہا کہ میں نماز تو پڑھونگا مگر زکوۃ مجھسے نہیں دیجائیگی اسپر حضرت خالد نے فرمایا کہ (ما علمت ان الصلوٰۃ والزکوۃ معاً لا تقبل واحدۃ دون الاخری)۔

مالک نے اس کے جواب میں پوچھا کہ تیرا دوست (یعنی حضرت صدیق اکبر کی نسبت کہا) کیا یوں ہی کہتا ہے؟

خالد نے کہا کہ عجب! کیا وہ میرا دوست ہے تیرا دوست نہیں ہے واللہ کہ تیری گردن کاٹونگا۔ مالک۔ کیا تیرے دوست نے یہی حکم دیا ہے؟ خالد۔ ہاں تو نے پھر یہی کہا دیکھ تو تیرا قاتل میں ہی ہونگا۔

جبکہ نزاع بڑھا تو حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو قتادۃ الانصاری نے خالد سے کہا کہ

اس کا قتل جائز ہرگز نہیں ہے مگر حضرت خالد نے اُن کے کہنے کی کچھہ پرواہ نہیں کی۔

مالک نے لاچار ہوکر یہ کہا کہ مجکو مدینہ بہیجدو اور وہاں پر حضرت ابوبکرؓ میرے حاکم ہونگے مگر خالد نے اسکو بھی قبول نہیں کیا اور حضرت ضرار بن الازور کو اُس کے قتل کا حکم دیا ہرچند مالک نے یہ حجت پیش کی کہ میں مسلمان ہون مگر اسکی سماعت نہیں ہوئی اور قتل کر دیا گیا۔ اور اُسکا مال واسباب ضبط کر لیا گیا۔

حضرت خالد نے جبکہ مالک متوفی کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا اور مجلس عقد میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت قتادہ کو بُلایا۔ وہ آئے مگر نکاح کرنے سے منع کیا اور کہا کہ ایک دفعہ ابوبکرؓ سے اجازت لینا چاہیئے اگر وہ رخصت دیں تو نکاح کرنا مگر خالد نے اس نصیحت پر بھی عمل نہیں کیا اور نکاح کر لیا۔ اسی واقعہ کے باب میں ابو نمیر السعدی نے جو اشعار لکھے ہیں وہ مشہور ہیں مالک کے بھائی نویرہ نے اس باب میں ایک قصیدہ نظم کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرؓ کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو باہم یہ گفتگو ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا کہ خالد نے زنا کیا اُس کو رجم کرنا چاہیئے۔

حضرت ابوبکرؓ۔ میں اُسکا رجم نہیں کرونگا۔ کیونکہ اُس نے دانستہ یہ فعل نہیں کیا بلکہ اُسکی اجتہاد کی غلطی تھی۔

حضرت عمرؓ۔ ایک مسلمان کے بلاوجہ قتل کر ڈالنے سے کیا اُسکا قتل لازم نہیں ہے۔

حضرت ابوبکرؓ۔ نہیں۔ کیونکہ مالک کے قتل میں بھی اُس کے اجتہاد کی غلطی تھی۔

حضرت عمرؓ۔ کچھہ بھی ہو تو سرداری لشکر سے تو اُس کو معزول کرنا چاہیئے۔

حضرت ابوبکر- جو تلوار کہ مخالفین الہی کے خون میں تر ہونے کے واسطے باہر نکالی گئی ہو

اسکو میں میان میں نہیں رکھوا سکتا ہوں۔

الغرض حضرت ابوبکرؓ نے اپنی آخر عمر تک اُن کو بدستور عہدہ پر رکھا البتہ جب حضرت عمرؓ

مسند خلافت پر جانشین ہوئے تو آپنے انکو معزول کیا اور بجائے اُن کے حضرت ابو عبیدہ کو

مقرر فرمایا۔

حضرت خالد نے زمانہ حیات رسول اکرم میں مختلف مقامات پر اور بعد آپ کی وفات کے

روم و فارس میں جو جو کارنمایاں کیئے اور جوہر شجاعت دکھائے قیامت تک اُن کے نام کو

ہمراہ خوبی کے ساتھ یاد کیئے جائینگے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جبکہ حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہا تو بھی اختلاف ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کی دسویں سال ربیع الاول میں مسند خلافت پر تمکین

ہوئے اور دو برس تین مہینے تک خلافت کی۔ ہجرت کی تیرہویں برس جمادی الاخر کی بائیس ۲۲

تاریخ منگل کی رات کو آپنے انتقال فرمایا۔

وفات کے وقت آپکا سن شریف تریسٹھ سال کا تھا۔ آپ کو ایک یہودی نے زہر دیا

جس کی وجہ سے آپنے وفات کی۔ اور ایک دوسری روایت کے موافق ایک سردی کے دن

آپنے غسل فرمایا تھا جس کے سبب سے بخار آگیا غرض کہ آپ پندرہ دن تک نماز کے واسطے

باہر تک تشریف نہیں لائے اور نماز جماعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پڑھوائی۔

حضرت صدیقؓ نے وفات سے کچھ دن قبل اصحاب کبار میں سے عبدالرحمن بن عوفؓ۔

عثمان بن عفان کو بلاکر حضرت عمر رضؓ کے خلیفہ کرنے کے باب میں مشورہ فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ عمر رضؓ کے باب میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں ہے البتہ مزاج میں ایک قسم کی شدت ضرور ہے جس کے جواب میں ابوبکر صدیق نے ارشاد کیا کہ اُس کے مزاج میں شدت صرف اسوجہ سے ہے کہ وہ میرے مزاج میں ملائمت پاتا ہے اگر مسند خلافت پر وہ بیٹھگیا تو اُس شدت کے بڑے حصے کو ترک کردیگا کیونکہ میں نے اسبات پر غور کیا ہے کہ جب میں کسی پر ناراض ہوتا ہوں تو وہ مجکو ملائم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب میں بہت ملائمت کرتا ہوں تو وہ مجکو سختی کی طرف مائل کرتا ہے۔

حضرت عثمان نے بھی اس بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ اُسکا دل اُس کی ظاہری حالت سے بہتر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم میں اُس کی مانند ایک بھی نہیں ہے۔

اگرچہ صدیق اکبر رضؓ نے اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنے کی بابت فرما دیا تھا مگر کسی کسی سبب سے یہ بات کھل گئی اور طلحہ بن عبید اللہ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لائے اور تعرضاً فرمانے لگے کہ تم عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو لیکن تم نے خود دیکھا ہے کہ عمرؓ کے ہاتھ سے لوگوں کا کیا حال ہے جب وہ خود مختار ہوگا تو کیا کچھہ نہ کرے گا۔ تو خدا کے پاس جانیوالا ہے بہتر ہوگا کہ خدا اپنی رعیت کا انتقام تجھسے لے۔ اسپر اپنے پاس والوں سے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ مجکو بٹھا دو جب کہ آپکو تکیوں کے سہارے سے بٹہا دیا تو آپنے حضرت طلحہ رضؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تو مجکو خدا سے ڈراتا ہے حالانکہ جب میں خدا سے ملونگا اور مجھسے وہ پوچھیگا تو کہونگا (استخلفت علی اھلک خیر اھلک) یہ کہکر وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا اور اُسکا مسودہ حضرت عثمان رضؓ کو لکھوا دیا۔ غرضکہ

اپنی حالت حیات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہہ (یعنی مسند خلافت) پر متمکن کر دیا۔

کلالہ۔ کے معنے میں اختلاف ہوا۔

کلالہ۔ اولاد ذکور اور والدین کے علاوہ دیگر ورثا کو کہتے ہیں۔ اور کلالہ۔ کا اطلاق اُس مورث پر بھی ہوتا ہے جس کے وارثوں میں اولاد ذکور اور والدین نہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جب کہ ایک بار سخت مریض ہوے اور رسول خدا اون کے دیکھنے کیواسطے تشریف لے گئے تو حضرت جابر نے کہا کہ (یا رسول اللہ انی رجل لا یرثنی الا کلالۃ) اور اس سے حضرت جابر کا مقصد یہ تھا کہ میرے نہ تو والدین ہیں اور نہ لڑکا۔

کلالہ۔ کا اطلاق مورث پر بھی فرزدق شاعر کے اس شعر سے مستدل ہوتا ہے شعر

ورثتم قناۃ الملک لا عن کلالۃ عن ابنی مناف عبد شمس و ہاشم

غرض کہ لفظ کلالہ قرآن مجید میں دو مقام پر جو کہ دونوں سورہ نسا میں ہیں آیا ہے جن دونوں آیتوں میں سورہ نسا کی لفظ کلالہ آیا ہے اُن میں سے ایک کو آیت شتا اور دوسری کو آیت صیف کہتے ہیں۔

آیت شتا

(وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس فان کانوا اکثر من ذالک فہم شرکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین غیر مضار وصیۃ من اللہ واللہ علیم حکیم)

آیت صیف

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثن مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین ط یبین اللہ لکم ان تضلوا ط واللہ بکل شیء علیم ○۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ فرماتے ہیں کہ اولاد ذکور اور والدین کے سوا کو کلالہ کہتے ہیں۔ مفسرین کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔

حضرت عمر بھی اگرچہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اولاد ذکور کے سوا کو کلالہ کہتے ہیں مگر یہ بھی روایت ہے کہ اپنی وفات کے قریب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ میں اس طرف رہا کہ کلالہ وہ میت ہے کہ جسکے لڑکا نہو۔ مگر یہ بات صرف اسوجہ سے تھی کہ ابو بکر سے اختلاف کرنے میں میں شرمایا کرتا تھا لیکن حقیقت میں کلالہ باپ اور اولاد ذکور کے سوا کو کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ سے ایک روایت اور بھی ہے یعنی آپ سے منقول ہے کہ (تین چیزیں ہیں کہ اگر رسول خدا نے اُن کی تشریح فرمادی ہوتے دنیا وما فیہا سے میری واسطے عزیز ہوتیں۔ کلالہ خلافت۔ ربا)

اخوۃ اور جد کی میراث میں بھی اختلاف ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن کی ہوتے ہوی جد کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ ابن کی نہ ہونی کی حالت میں اخ ایک ہو یا دو اونکی اور جد کی مابین میراث کو متساویاً تقسیم فرمادیا کرتی تھے جبکہ بھائی دو سے زائد ہوتے تھے تو جد کو ثلث دیکر باقی تو سب بھائیوں پر مساوی طور پر تقسیم

کر دیتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اجتہاد اور تھا۔

حضرت ابن عباس کے اس سوال پر کہ جد اور چھ بھائیوں کو وارث چھوڑنے والے شخص کی میراث کس طرح پر تقسیم ہونا چاہیئے؟ حضرت علیؓ نے بموجب ایک روایت کے یہ فرمایا کہ (جد کو ایک اخوہ کے مقام پر قرار دے) اور ایک روایت کے بموجب فرمایا کہ (جد کو سبع حصہ دے)۔

ابن مسعود کا اجتہاد جداگانہ ہے یعنی حضرت ابن مسعودؓ نے خصم۔ ما۔ بی مات سوتیلی بھائی۔ جد کو ورثا میں چھوڑنے والی ایک بی بی کی جائداد اس طرح پر تقسیم کی۔

	حصہ
زوج۔ نصف	۳
ام۔ ثلث مابقی وہو السدس من راس المال	۱
اخ۔	۱
جد۔	۱/۲

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ارث میں جد کو بمنزلہ اب کے قرار دیکر جد کی موجودگی کی حالت میں اخوہ اور اخوا کو میراث میں داخل نہیں فرماتے تھے جیسا کہ ابی حنیفہ کا مذہب ہے۔

زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ:۔ اس شرط پر کہ اُسکا حصہ ثلث سے کم نہ ہونے پائے جد کو اخوہ کے ساتھ تقسیم میں داخل کر دیتے تھے اور یہی مذہب امام مالک و شافعی کا ہے۔

ارا الملل کے مصنف نے اگرچہ اور بہت سے واقعات بھی بشرح وبسط لکھیں ہیں لیکن مضمون میں طوالت ہو جانے کے خیال سے اُنکو قلم انداز کر دیا جن کی تفصیل یہ ہے۔ رحلت نبوی

میں اختلاف ہوا۔ تعیین مدفن رسول میں اختلاف ہوا۔ اسباب میں اختلاف ہوا کہ صحابہ کا اطلاق کس پر ہو سکتا ہے۔ حضرت نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارث کے ثبوت پر اختلاف ہوا۔ حضرت عثمان غنی کی خلافت پر اختلاف ہوا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے واقعہ قتل کے وقت اختلاف ہوا۔ علاوہ ازیں احکام فروعیہ میں بھی اختلاف ہوئے۔

مذکورۂ بالا واقعات سے ہم بہت سے کارآمد نتائج نکال سکتے ہیں جن کے سبب سے موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے اسباب تنزل پر روشنی پڑتی ہے سب سے اول جس غلطی پر ہماری نظر پڑتی ہے وہ۔ وہ غلطی ہے جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے یعنی یہ کہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے تنزل کا باعث اُن کا باہمی اختلاف وتباین خواہشات ہے۔ کیونکہ مذکورۂ واقعات پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں یہی نہ تھا کہ صرف اختلاف آرا ہو بلکہ اغراض بھی متحد نہ تھیں۔ چنانچہ خلیفۂ اوّل کے انتخاب پر جو گفتگوئیں ہوئیں اور بعد اُس کے حضرت علی مرتضیٰ کا ایک عرصۂ دراز تک جس کی مقدار چھ مہینے قرار دیجاتی ہے بیعت نکرنا اور اصحاب کبار میں سے بہت سے ذی اثر حضرات کا حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کیطرف رغبت اور حضرت ابوبکر کی خلافت سے ناخوشنود ہونا اور پھر حضرت عمر فاروق کے خلیفہ قرار دیئے جانے کے وقت حضرت طلحہ بن عبداللہ کا معاندانہ اعتراض وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو ہم اختلاف خفیفہ ہرگز نہیں کہہ سکتے لیکن باوجود ان تمام واقعات کے حالت یہ تھی کہ اسلام کی سلطنت اور شوکت کا دائرہ اس طرح سے وسیع ہو رہا تھا کہ جس طرح کوئی سیلاب آناً فاناً میں زمین کے بڑے بڑے رقبوں پر مستولی ہوتا جاتا ہو۔ اور اختلافات یا تباین خواہشات

کا کچھہ بھی خراب اثر نہ پڑتا تھا۔

اگر ہم ان واقعات سے تھوڑی دیر کے واسطے اپنے آپ کو جدا کرلیں اور اُن پارٹیوں کے اختلاف اور مختلف خواہشوں پر نظر ڈالیں جو انگلینڈ میں پائی جاتی ہیں اور جن کے بہت سے مختلف اغراض اور نام ہیں یعنی لبرل۔ کنسرویٹو۔ یونینیٹ۔ گلینڈ سٹونین۔ ایرش وغیرہ وغیرہ تو ہم کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کچھہ بھی پس وپیش نہیں ہو سکتا کہ بنی نوع انسان سے اختلاف کا دفع کردینا ناممکن ہے اور اس بات کے باور کرلینے میں بھی کچھہ پس و پیش نہیں کرنا پڑتا کہ مجرد اختلاف آرا و اختلاف خواہشات کسی قوم کے واسطے ہرگز باعث تنزل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ زمانہ موجودہ کے اختلاف وخواہشات اور زمانہ سابق کے اختلاف وخواہشات میں فرق ہے یعنی زمانہ حال کے اختلاف وتباین خواہشات میں حسد اور کینہ کی ایک ترکیب شامل ہے جو زمانہ سابق میں نہیں پائی جاتی۔ اس وجہ سے زمانہ حال کے مسلمانوں کی جو کچھہ حالت ہو وہ بوجہ حسد اور کینہ کے قرار دیجا سکتی ہے نہ بوجہ اختلاف وتباین خواہشات کے۔

زمانہ حال کے مسلمانوں کے اندر اختلاف کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُس میں بغض وحسد ہر وقت اس طرح پر شامل ملتا ہے کہ جس کے بعد سوائے اسکے کہ اپنے مخالف کی تذلیل اور تخریب کریں اور کوئی شوق یا ولولہ باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ اسکا پتہ ہم مذکورہ واقعات تاریخی میں نہیں پاتے حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے حضرت خالد ابن الولید کے عزل کی خواہش اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انکار پھر حضرت خالد موصوف کا مہم فارس اور شام میں بطور سپہ سالار کے

مقرر فرمائے رہنا۔ ہمارے زمانے کی عادات وخصائل کے بموجب حضرت فاروق کی ناراض
وبرگشتہ ہوجانے کے واسطے بہت ہی کافی ذریعہ تہا مگر حضرت عمرؓ نے کبھی بھی اس پر اظہار
رنج وملال نہیں فرمایا اور نہ ابوبکر صدیقؓ کے کاروبار میں رخنہ اندازی کی۔

رسول پاک کے آخری وقت میں وصیت لکھی جانے کے وقت حضرت عمر کا دخل دینا
وصول زکوٰۃ کے واسطے مانعین ادائے زکوٰۃ سے محاربہ ومقاتلہ کے جواز وعدم جواز میں اختلاف
ہونا۔ حضرت خالد کا مالک کی بیوی سے بغیر گذر جانے ایام عدت کے نکاح کر لینا۔ مسئلہ کلالہ
کی بحث۔ ان میں ہر ایک بات ایسی تھی جو ہمارے زمانے کے علمار کرام مشغلہ تکفیر یا بطور ناقابل
حل مسئلہ کے اختیار کیئے جانے کیواسطے کافی حیلہ اور آپس میں لڑنے مرنے اور امت محمدی
کو وحشت اور تباہی میں ڈالنے کے واسطے پورا بہانہ تہا۔ حالانکہ ان باتوں کی اُس زمانے میں
کچھہ بھی اہمیت نہ تھی۔

مذکورۂ بالا واقعات پر نظر کرنے سے ہمکو ایک اور مسئلہ قابل غور مل جاتا ہے یعنے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے باسعادت میں مذہبی اور دنیوی پیشوا یا مذہبی اور دنیوی گروہ
جداجدا نہ تھے اور اسوجہ سے معاملات دنیا ومصالح ملکی ناواقف اور غیر ذمہ دار اشخاص
کے ہاتوں میں مقید نہ ہونے پاتے تھے۔

بعد وفات خاتم الانبیا کے جب کوئی نئی بات پیش آتی تھی تو مشورۂ باہمی یا باجتہاد
ذاتی اُس پر حکم اور عمل کیا جاتا تہا۔ چونکہ وہی لوگ حکمراں یا سردار بھی تھے تو وہ خود ضروریات
دنیوی سے بھی بخوبی واقف ہوتے تھے وہ لوگ محکوم بھی رہ چکے تہے اور حاکم بہی ہوئے

انکا تعلق صرف مسلمانوں ہی سے نہ تہا بلکہ مذاہب مختلفہ کے لوگ انکے تحت ادرعیت ہوچکے تھے اور نیز ان کے نئے نئے تعلقات غیر مذہب کے حاکموں اور بادشاہوں سے بھی ہوتے جاتے تھے غرضکہ دنیا کی کوئی حالت نہ تھی جس سے وہ واقف نہوں اسوجہ سے جس مسئلہ پر وہ غور کرتے توان تمام حالتوں کو وہ فراموش نہ کرتے تھے جس کا انجام صرف یہی نہیں تھا کہ ملک کے ملک فتح ہوتے چلے جاتے ہوں بلکہ غیر مذہب کے لوگ بھی خواہش کرنے لگے تھے کہ وہ مسلمانوں کی حفظ وامن میں آجائیں † اب حالت دوسری ہے کہ شرع یا فتوے

† ماخوذ از مراۃ العبر مصنفہ دیاربکری سعید پاشا جلد پنجم مطبوعہ ۱۳۰۶ ہجری

ہرچند کہ سلطنت روم نے کوشش کی کہ عیسائی باشندگان ملک فارس کو اس ظلم وتعدی سے بچائیں جو سلاطین ایران کے ہاتوں سے انپر ہوتا تہا مگر اس میں ان کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ جس جس قدر عیسائی باشندوں کے بچانے کے واسطے رومی لوگ لڑائیاں کرتے تھے اسی قدر سلطنت فارس کی طرف سے ان پر ظلم وتعدی زیادہ ہوتا جاتا تہا۔

اس زمانے میں جبکہ ایسے جور وجفا میں فارس کے عیسائی زندگی کے دن پورے کر رہے تھے خدیتعالی نے رحمۃ اللعالمین نبی برحق محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارض حجاز میں تولد اور مبعوث فرمایا۔ اور جبکہ آپکے عدل وانصاف اور اس عہد وپیماں کی شہرت جو ممالک اسلامیہ میں عموماً عیسائیوں کے ساتہہ عمدہ سلوک اور امن وآسایش کے باب میں تہا ملک فارس کے عیسائیوں کو بہی پہنچی تو انہوں نے آپ کو مجوس کے ہاتوں سے نجات دینے کی التجا کرنے کے لیئے ایک ڈیپوٹیشن بہیجا جسکا سردار جبریل نامی ایک پادری تہا۔

اس ڈیپوٹیشن کے آنے سے اول اگرچہ حضرت رسالتماب رحلت فرما چکے تہے مگر خلیفۂ اول نے انکی معروضات پر توجہ کرکے ان کی مدد کیواسطے لشکر روانہ کیا اس واقعہ کے متعلق اس زمانے کے ایک عیسائی مورخ کی ایک کتاب جو اسی زمانے میں لکھی گئی ہو دیار بکر میں کلدانی گرجا میں اتبک محفوظ ہے (خلاصتاً ترجمہ کیا گیا)۔

اُن لوگوں کے ہاتوں میں ہے جن کی پرورش عوام کی عنایت یا صدقہ سے ہوئی ہے جن کی خواہش یہ ہے کہ زہد و ورع ظاہری کو دکھا کر اپنے معتقدین کی تعداد کو کچھ زیادہ کر سکیں جن کو کوئی تعلق حکومت یا ثروت سے نہیں ہے اور جن کو اس بات سے قطعی ناواقفیت ہے کہ حکمراں کو محکوم یا محکوم کو حکمراں کے ساتھہ کیا تعلق ہوتا ہے اور اسکا حسن ایفا کس طرح ہو سکتا ہے مذاہب اجنبیہ کے معتقدوں کے ساتھہ کیا برتاؤ برتنا اسلام کی عظمت و شان یا اُس کے ابقا کے واسطے چاہیئے۔

جسکا انجام یہ ہوا ہے کہ اُن کے اُن خوف یا دباؤ کی وجہ جو مذہبی لباس میں نمودار ہوئی ہیں یا اُن کے بے موقع مشوروں کے سبب سے سلطنتیں تباہ ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں محکوم رہنے کی قابلیت بھی مسلمانوں میں پائی نہیں جاتی دولت کنارہ کش ہو گئی ہے۔ ازادی خیالات اور شگفتگی طبع برباد ہو چکی ہیں۔ تعصب بیجا نے حکومت کر لی ہے اور غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کی نظروں میں مذہب پاک اسلام کو بُرا دکھانے میں ہم نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے

فاعتبرُوا یا اولی الابصار۔

علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۷ و ۱۴ و ۲۱ مئی ۱۸۹۵ء

اسباب مانع ترقی مسلمانان جسقدر سنے یا بیان کیے جاتے ہیں اُن میں سے بہت سوں کی بابت یہ شبہہ ہے کہ آیا وہ مانع ترقی ہیں بھی یا نہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جن کے موجود ہونے پر بھی یقین کامل نہیں ہے مثلاً۔

افلاس۔ جسکو مسلمانوں کی ترقی کا مانع خیال کیا جاتا ہے ایک ایسی شئے ہے جس میں بہت ہی کلام ہے۔ کہ آیا مسلمان ایسے مفلس ہیں یا نہیں کہ جس کے سبب سے وہ ترقی نہیں کرسکتے۔

افلاس یا تمول ایسے الفاظ ہیں جن کے بیان کرنے کے واسطے نسبت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یعنی زید جس کے پاس ایک کرور روپیہ ہے وہ مفلس ہے بہ نسبت عمرو کے کیونکہ عمرو دس کرور روپیہ کا مالک ہے اگر اس طرح پر دلیل کی جائے تو کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمان مفلس ہیں بہ نسبت ہندوں کے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان اسقدر نادار ہیں کہ وہ اپنی ترقی کے ذرایع حاصل یا پیدا نہیں کرسکتے یا یہ کہا جائے کہ مفلس وہ شخص ہے جو اپنی ضروریات کا انصرام خود نہ کرسکتا ہو تو ہم اس کہنے پر مجبور ہوں گے کہ مسلمان مفلس نہیں ہیں۔

اس مسئلہ پر غور کرتے وقت افراد سے بحث مت کرو کیونکہ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ افراد میں ضرور بہت ایسے مفلس ہیں جو اپنی ضروریات کا انصرام نہیں کرسکتے بلکہ مسلمانوں کو من حیث المجموع دیکھو جیسا کہ جمیع اقوام کی دولتمندی پر غور کرنے کا قاعدہ ہے اگر اس طرح پر مسلمانوں کو دیکھا جائے تو وہ ہرگز مفلس نہیں ہیں۔

شاید لوگوں کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ بمبئی کے مسلمان جسمیں میمن۔ بوہرہ۔ خوجہ۔ کوکنی اور وہ ایرانی و عرب وغیرہ جو بمبئی کے باشندے ہوگئے ہیں سب شامل ہیں بہ نسبت تمام دیگر اقوام موجودہ بمبئی کے زیادہ دولتمند خیال کیئے جاتے ہیں۔ اُن میں علاوہ عظیم سرمایہ والوں کے ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو دس دس بیس بیس لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے لین دین کرتے ہیں

وہ لوگ عموماً بڑی سے بڑی سرکاری ملازمتوں کو اسوجہ سے حقیر جانتے ہیں کہ اُن کی آمدنی اور کمائی کا مقابلہ بڑی سے بڑی سرکاری تنخواہ نہیں کر سکتی۔

حال میں مجھہ سے اور ایک میمن سے بمبئی میں گفتگو ہوئی جسکا خلاصہ یہ ہے۔

میں۔ آپ کے کیسے صاحبزادے ہیں

میمن۔ دو ہیں۔

میں۔ کیا آپ اُنکو انگریزی پڑھاتے ہیں۔

میمن۔ بڑا تو کاروبار کرتا ہے چھوٹے کو مدرسۂ اسلامیہ میں کر دیا ہے

میں۔ انگریزی تعلیم دلانے سے آپ کی کیا غرض ہے۔

میمن۔ یہی کہ آج کل چٹھی چپاٹی تار وغیرہ کے پڑہنے کے لیئے انگریزی کی ضرورت ہوتی ہے

میں۔ کیا آپ اُسکو اونچے درجہ کی تعلیم نہیں دلائیں گے۔

میمن۔ نہیں! کیونکہ اس سے فائدہ کیا ہے ناحق اوقات ضایع ہوگی۔ انگریزی پڑہکر نوکری ملیگی تو بڑہ سے بڑہ ہای کورٹ کا جج ہو سکتا ہے یا پیشیوں میں بارسٹری وغیرہ کر سکتا ہے اُن کی اتنی آمدنی کیا ہے جو تجارت کا مقابلہ کرے۔ میں اصل میں فلاں جگہہ کا رہنے والا ہوں بمبئی میں آئے ہوئے ساٹھہ برس ہوئے ہوں گے۔ میرے باپ کا سرمایہ کچھہ نہ تھا خود مین نے کام شروع کیا اور صرف ولایت کا مال منگاکر یہاں بیچنے کے ذریعہ سے دس دس ہزار روپیہ مہینہ میں نے پیدا کیا ہے۔ اور ٹھیکوں میں ساٹھہ ساٹھہ ہزار روپیہ نفع کا چار چار چھہ چھہ مہینے میں کمایا ہے

ہماری نظر میں نوکری کی کچھ بھی عزت نہیں ہے۔ جب سے تو اضعیف ہوئے یعنی پچیس برس
سے میں نے کاروبار ترک کر دیا ہے اور اپنے مکسوبہ روپیہ سے مکانات بنائے ہیں جن کے کرایہ
کی آمدنی سے بسر کرتا ہوں۔ بڑا بیٹا خود کماتا ہے اور یہی حال میرے دوسرے تینوں بھائیوں کا ہے
میں نے اپر انڈیا کے مسلمانوں کی بے بضاعتی کا حال بیان کر کے جب اُس سے سوال
کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اُس ملک کے بچے کاروبار کے واسطے تمہاری سپرد کر دیئے جائیں تو تم
اُن کو کام سکھا دو گے اور وہ لڑکے ایسا ہی کمانے لگیں گے۔ جن دونوں باتوں کا جواب اُس نے
بصیغۂ اقرار دیا۔

مذکورۂ بالا گفتگو کو تمام وکمال ہمارے اس مضمون سے کچھ تعلق نہیں ہے صرف دلچسپ
ہونے کی وجہ سے لکھہ دی گئی ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ یہ شخص بمبئی کے معمولی
میمنوں میں سے تھا غرض یہ ہے کہ وہاں پر تمول عام ہے اور مسلمان مالدار ہیں اگر یہ کہا جائے
کہ ہمنے صرف بمبئی کے مسلمانوں کی آسودگی کا تو خیال کر لیا اور ہندوستان کے دوسرے
اقطاع کے مسلمانوں کی کمی بضاعت سے بے پروائی کی تو ہم خاموش نہیں ہوں گے دو وجہ
سے اول تو یہ کہ سوائے بمبئی کے دیگر اقطاع بھی ایسے ہیں جہاں پر مسلمانوں میں عام آسودگی
پائی جاتی ہے بہت سی ریاستیں مسلمانوں کے ہاتھہ میں ہیں جہاں پر مسلمانوں میں تمول عام ہے
خصوصا حیدر آباد میں سوائے اس کے کلکتہ۔ مدراس میں مسلمانوں کی حالت بہت اچھی ہے۔
اپر انڈیا کے مسلمانوں کی حالت علی العموم بہ نسبت بمبئی وحیدر آباد وغیرہ کے مسلمانوں کے اچھی
نہو مگر تاہم من حیث المجموع ایسے مفلس نہیں ہیں کہ اپنی ضروریات کو مہیا نکر سکتے ہوں ۔۔ دوم

جس بات پر ہمکو زیادہ زور دینا ہے وہ یہ ہے کہ بالفرض صرف بمبئی کے ہی مسلمانوں کی حالت قابل اطمینان ہے اور کہیں کے مسلمانوں کی ایسی نہیں۔ تو ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ انہیں لوگوں نے یعنے بمبئی کے مسلمانوں نے اپنی قوم کے واسطے کیا کارنمایاں کیا ہے جس کی بنا پر ہم تھے کہہ سکیں کہ اگر دوسرے اقطاع کے مسلمان بہی صاحب دولت ہوتے تو وہ بہی ایسا ہی کرتے جیسا کہ بمبئی کے مسلمانوں نے کیا۔ یہ سبب ہے جس کی وجہ سے نہ تو ہم مسلمانوں کو مفلس خیال کرتے ہیں اور نہ اُن کے افلاس کو مانع ترقی۔ اور نہ اُن کی دولتمندی کو موجب ترقی۔

عدم اتحاد۔ عدم اتفاق۔ اس پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہے اور یہ بہی کہا جاتا ہے کہ اسی وجہ سے اُن کی ترقی نہیں ہوتی مگر اس کو بھی تسلیم کرنے میں بہت کچھہ کلام ہو سکتا ہے اور نہ یہ بات تسلیم کیجا سکتی ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی ہے۔

پچھلی منحوس سالوں میں جو بلوے مابین ہندوؤں اور مسلمانوں کے خصوصاً بمبئی اور اعظم گڈھ میں ہوئے اُن میں کسی جگہہ پر اور کسی وقت میں مسلمانوں سے کوئی ایسی حرکت یا ترک حرکت سرزد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکیں کہ مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہے یا نااتفاقی ہے۔ ہندوستان کے کسی حصہ کے مسلمانوں کو لیلو اور اُنسے گاؤکشی کے مسئلہ پر بحث کرو تو ہر ایک کے مونہ اور زبان سے بالاتفاق گائے کی قربانی کی تائید ہی نکلے گی پہر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہے

اس سے کم درجہ کے کام لیلو یعنی ہمارے شہر کے اور نیز دیگر شہروں کے مسلمانوں نے آمین و رفع یدین وغیرہ کی مخالفت میں ہمیشہ ایک نہایت عجیب اور پرزور اتفاق دکہایا ہے۔ انگریزی

زبان کی تعلیم بھی منجملہ اُنہیں تطیروں کے ہے۔ اگرچہ مجبوراً ایک گروہ قلیل نے اُس کی تعلیم اختیار کی ہے یا ایک گروہ قلیل نے اُس کی خوبی اور ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے مگر اسوقت تک انگریزی تعلیم سے عام نفرت کے اوپر سب اور جمیع جہات کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

اگر اُن کاموں پر نظر ڈالی جائے جو مسلمان باہم ملکر کرتے ہیں تو بھی حیرت پیدا ہوتی ہے گو افسوس ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی اسٹیٹکس موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے کوئی ٹھیک اندازہ بتا سکیں لیکن ان واقعات کی وجہ سے جو روزمرہ ہر ایک شخص کے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر سال کس قدر کثیر مساجد کی بنا یا اُن کی تعمیر صرف چندے سے ہوتی ہے جو کہ عوام سے وصول کیا جاتا ہے۔ ہمارے شہر کی جامع مسجد کی مرمت میں ہمارے ضلع کے ایک رئیس نے قریب پچاس ہزار روپیہ کے صرف کیا اور اب جبکہ اُس کی بقیہ مرمت کے واسطے جسکا تخمینہ پنتیس ہزار روپیہ کا ہے چندہ کھولا گیا تو صرف چند رئیسوں نے آن واحد میں اٹھائیس ہزار روپیہ دینے کا بخوشی وخورمی وعدہ کرلیا ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر بجائے پنتیس ہزار کے پچاس ہزار روپیہ بھی صرف ہوگا تو وہ بھی بکمال آسانی اسی ضلع کے رئیس دیدینگے۔

بمبئی میں خوجہ قوم نے (جو ایک مسلمان قوم ہے) اپنے قوم کے بیمار یا اُن لوگوں کے آرام کے واسطے جو کاروبار کرتے کرتے تھک گئے ہوں چار چار یا چھہ چھہ لاکھہ روپیہ قیمت کی عمارتیں بمبئی اور اُس کے اطراف میں بنادی ہیں جن میں قریب قریب دو دو سو کے خاندان ایک ساتھہ رہ سکتے ہیں اور جس کا کچھہ کرایہ نہیں لیا جاتا۔ سہارنپور کی مسجد اسی فہرست میں داخل ہونے کے لایق ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا واقعات کے لحاظ سے ہم اس رائے کے قائم ہونے پر مجبور سے ہوئے جاتے ہیں کہ مسلمانوں میں نااتفاقی نہیں ہے بلکہ اتفاق کا پورا پورا مادہ اُن میں پایا جاتا ہے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جس کی بنا پر مسلمانوں کی ترقی کے موانع میں نااتفاقی کو دخل کیا جائے

قبل اس کے کہ اس کی بابت اپنے خیالات یعنی یہ کہ پھر اُن کی ترقی کی مانع کیا شے ہے بیان کیا جائے۔ ایسا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سطروں میں اُن واقعات کو مختصراً لکھیں جو زمانہ حیات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمانوں پر گذرے ہیں تاکہ اپنی منشا کو دوسروں کے ذہن نشین کرنے میں ہمکو کافی مدد ملے۔

فخر عالم نبی برحق خاتم الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام صباوت یعنی بعمر دوازدہ سالگی اپنے عم بزرگوار ابو طالب کے ہمراہ شام کی طرف وہ بھی صرف بصریٰ نام ایک قصبہ تک کے سوا نہ کوئی اور سفر کیا اور نہ آپ کو کسی قسم کی تعلیم دی گئی۔

لیکن سن شباب میں پہونچکر آپ کے عاقلانہ برتاؤ شیریں زبانی اور حلم و مروت کے سبب سے تمام مکہ میں آپ کا ایسا اعتبار و وقار ہر ایک کے دل میں پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کے نام مبارک کے ہمراہ امین کا لفظ اضافہ ہو کر محمد الامین کے نام و لقب سے آپ مشہور ہو گئے تھے اشراف قریش میں سے خدیجہ نامی ایک بیوہ کو جو کہ بہت دولتمند تھیں اور جو کہ اپنے سرمایہ سے دوسرے تاجروں کے ذریعہ سے تجارت کیا کرتی تھیں جبکہ آپکے اوصاف عالیہ و صدق و امانت کی خبر پہونچی اور اہالی مکہ نے مشورہ دیا کہ محمد الامین کو کچھہ مال دیکر تجارت کے لیئے روانہ کیا جائے تو انہوں نے تمام سرمایہ اپنا آپ کے حوالے اور اپنے غلام میسرہ نامی کو ہمراہ کر کے آپ کو شام کی طرف روانہ کیا

شام میں پہونچنے کی بنسبت بصرا نامی جگہہ میں ہی آپ نے اموال کی خرید و فروخت مناسب
تصور فرماکر وہیں پر اُس کا معاملہ کر دیا اور مکہ کو واپس تشریف لے آئے۔

قافلۂ شام کی واپسی کا تماشا دیکھنے کے واسطے خدیجہ مع اپنی رفیقہ عورتوں کے کھڑی
تھیں کہ یکایک اُن کی نظر میسرہ پر پڑی جس نے محمد الامین کی واپسی کی بشارت بھی خدیجہ کو دی اور
جب کہ حساب و کتاب خدیجہ کو دیا گیا تو معلوم ہوا کہ سب سالوں سے زیادہ اس سال میں منافع ہوا ہے
آپ کے شام کی طرف جانے کے بعد خدیجہ نے کوئی ایسا خواب دیکھا جس کی تعبیر میں اُن کے
چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے یہ کہا کہ اُسکا ازدواج آنحضرت سے ہوگا۔

ورقہ بن نوفل چونکہ دین مسیحی کا معتقد اور بوجہ عمر رسیدگی اور کہالت کے مشہور تھا
اسوجہ سے خدیجہ کے دل میں اُس کی بات نے ایسا اثر کیا کہ وہ آپ کے ساتھ ازدواج پر دل سے
مائل ہوگئیں۔

غرضکہ مناسب ذرایع کی وساطت سے فخر عالم اور سیدۃ النسا خدیجہ کا نکاح قرار پا گیا
اور قریش کے اعزہ و سردار حضرت خدیجہ کے خانۂ سعادت کاشانہ پر جمع ہوئے اور نبی پاک مع
اپنے چچا ابو طالب و حمزہ کے وہاں پر تشریف لے گئے۔

اول ابو طالب نے خطبہ پڑھا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (خدا کا شکر ہے کہ ہمکو ابراہیم
کی ذریت اور اسمٰعیل کی نسل اور معد کی اصل اور مضر کے عنصر سے پیدا کیا اور ہمکو بیت اللہ کے دربان
۔ حرم شریف کے خادم ہونے کی وجہ سے انسانوں کا حاکم اور رئیس بنایا۔ اما بعد میرے بھائی کے
بیٹے محمد ابن عبداللہ کا قریش کے کسی نوجوان سے مقابلہ کیا جائے تو حسب و نسب عقل و فضائل میں

سب سے بہتر نکلیگا۔ اُس کے مال کی قلت قابل لحاظ نہیں ہے کیونکہ مال ایک چلی جانیوالی
چھانوں اور عارضی شے ہے۔ اور قسم ہے خدا کی کہ آیندہ کو اُس کی شان بڑی ہونیوالی ہے
اور اس طرح پر آیندہ کو شاندار ہونے والی تمہاری لڑکی خدیجہ کی طرف اُس نے رغبت کی
ہے اور اسقدر مہر معجل اور اسقدر موجل مقرر ہوا۔

ابوطالب کے اس خطبہ کے تمام ہونے پر ورقہ بن نوفل نے یہ اسپیچ کی کہ (خدا کا شکر ہے
کہ ہمکو تمہارے بیان کے موافق پیدا کیا اور جو کچھ نعمتیں تم نے بیان کیں ہیں ان سے زیادہ ہمکو
دیا۔ ہم عرب کے سردار اور بڑے ہیں اور تم بھی ایسے ہی ہو۔ ہملوگ تمہاری بزرگی سے منکر
نہیں ہیں اور نہ تمہاری بہتری اور شرف میں ہمکو تامل ہے اور تمہارے ساتھہ قرابت حاصل ہونے
کی طرف ہمکو بھی رغبت ہے۔ اے حاضرین تم گواہ رہو کہ میں نے محمد ابن عبداللہ کا خدیجہ بن
خویلد سے نکاح کر دیا) ذات رسالت مآب کی عمر شریف اُسوقت پچیس برس کی تھی اور حضرت
خدیجہ آپ سے کسی قدر بڑی تہیں۔ جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں آپنے دوسرا نکاح نہیں کیا۔

آپ کی عمر پینتیس ۳۵ سالگی کے زمانے میں خانہ کعبہ کی بنا کے بعد حجر الاسود کے نصب کئے میں
جبکہ سرداران مکہ میں اختلاف ہوا اور نوبت بقتال باہمی پہونچنے والی تھی تو سب نے حضرت
محمد الامین کو اپنا حکم قرار دیا۔ پس آپنے چادر میں حجر الاسود کو رکھہ کر اُس کے کونے مختلف قبائل
کے سرداروں کو دیکر پتہر کو اونچا کرایا اور اپنے دست مبارک سے اُسکو نصب کر دیا۔ قریش اور
دیگر قبائل نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور جنگ وجدال سے بچ رہے۔

گو بعض کیفیات عجیبہ چالیس سال کے سن سے شروع ہوئیں مگر تینتالیس سال کی عمر میں

آپ نے تبلیغ رسالت شروع کی اور سب میں اوّل جو آپ کی نبوت پر ایمان لایا وہ حضرت خدیجہ سعز سیدۃ النسا تہیں اور وہ آپ کے ہمراہ نماز پڑھا کرتی تہیں۔ اُس کے بعد حضرت ابوبکر الصّدیق حضرت علی مشرف باسلام ہوئے پہر زید ابن حارث جو رسول پاک کے آزاد غلام تھے ایمان لائے۔ پہر عثمان ابن عفان۔ عبدالرحمان بن عوف۔ سعد ابن وقاص۔ زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ نے آپ کی رسالت کو قبول کیا اور حضرت صدیق کے ہمراہ رسول پاک کے حضور میں تشریف لائے اور نماز پڑہی۔ اُس کے بعد اور بہت سے صحاب آپ پر ایمان لائے۔

ابتدا میں آپ دعوت رسالت بطور مخفی کے فرماتے تہے حتے کہ نماز اور قرآن مجید بھی باواز نہیں پڑہا جاتا تہا۔ بعد چندے جب کہ آیت (فاصدع بما تومر) نازل ہوئی تو آپ نے علانیہ دعوت اسلام شروع کی۔

گو کہ قوم کے بہت سے لوگ ایمان نہیں لائے تھے مگر جب تک آپ نے بتوں کے حق میں کلمات تحقیر نہیں فرمائے تھے مسلمانوں کے ساتہہ کچہہ روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی۔ جب بتوں کے پوجنے کو آپ نے ضلالت و گمراہی بتایا تو قریش کو ناگوار گذرا اور عتبہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان بن حرب وغیرہ جمع ہوکر ابوطالب کے پاس گئے اور شکایت کی کہ تمہارا بہتیجا ہمارے دین میں دخل دیتا ہے اور ہمارے تمہارے اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اور درخوست کی کہ ابوطالب اس کی روک کریں۔ ابوطالب نے ملائم باتیں کہکر اُن کو رخصت کر دیا۔

مگر رسول پاک کو بدستور اپنے کام میں مصروف رہتے دیکہکر قریش پہر ابوطالب کے پاس آئے اور اب کی مرتبہ اُن سے صاف کہدیا کہ یا تو اپنے بہتیجے کو روک دو ورنہ دونو فرقوں میں سے صرف

ایک ہی رہجائیگا یا ہم مرجا ینگے یا اُن کو مار ڈالینگے۔

ابوطالب اب کی مرتبہ ڈر گئے اور رسول پاک سے سب حال کہا اور گوکہ صاف تو نہیں کہا مگر اشارہ یہ بہی جتادیا کہ اگران لوگوں نے تمکو ستایا تو مجھ سے اسکا تدارک کچھ نہیں ہوسکیگا۔

ابوطالب کے اس بیان سے آپ بہت ملول اور محزون ہوئے اور یہ فرماکر (کہ اے میرے باپ کے قائم مقام چچا خدا تعالے نے جسکام کے واسطے مجکو مامور کیا ہے اُس کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوں ان لوگوں کے دل میں جو آئے وہ کریں) اور آبدیدہ ہوکر اُٹھ گئے۔

آپ کے اس طرح پر اُٹھ جانے اور آبدیدہ ہونے کی وجہ سے ابوطالب کا دل بھی کڑھا اور مکرر آپ کو بُلاکر دلاسا و تشفی کی اور کہا کہ لوگوں کو بکنے دو وہ کچھ نہیں کرسکتے۔ اور ابوطالب نے جیسا کہ کہا تہا اُس طرح پر کیا بہی یعنے ہمیشہ آپ کی حمایت کرتے تہے اور رسول خدا بہی پہلے کی طرح سے تبلیغ احکام میں مصروف رہے۔

گو کفار و مشرکین مکہ ذات پاک نبوی کا بوجہ ابوطالب کے اور ابوبکر صدیق کا بوجہہ کثرت عشیرہ کچھہ کر نہ سکتے تہے مگر دیگر مسلمانوں کی ایذا و تکلیف دہی میں کوتاہی نہیں کرتے تہے۔ اور نوبت یہاں تک پہونچی تہی کہ سمیہ خاتون کو شہید کر ڈالا جب کہ اُنہوں نے مذہب جدید یعنی اسلام سے پہرنے سے انکار کیا اور بلال حبشی جب کہ وہ ایمان لے آئے تہے اُن کے گلے میں رسی باندہ کر مکہ کی گلیوں میں اُن کو گھسیٹا جاتا تہا۔ غرضکہ ایسے ایسے خوفوں کے سبب سے بہت سے لوگ ایسے تہے جنکو اپنے اسلام کے ظاہر کرنے کی جرأت نہوتی تہی۔ مسلمانوں پر اس قسم کی تکلیف کو دیکھکر نبوت کے پانچویں سال میں آپ نے مسلمانوں کو دیار حبشہ میں ہجرت کرجانے کی اجازت دی اور اس اجازت پر

عثمان بن عفان مع اپنی بیوی یعنی حضرت رقیہ۔ زبیر بن العوام۔ عثمان بن مظعونؓ۔ عبداللہ بن
مسعود وغیرہ وغیرہ بہت سے صحابہ دریا کی راہ سے حبشہ میں پہنچے اور نجاشی بادشاہ حبش کی
پناہ لی۔ اور نجاشی نہایت انسانیت سے اُن کے ساتھہ بہ مہربانی پیش آیا۔
اس کے بعد یکے بعد دیگرے مسلمانوں نے حبش میں جانا شروع کیا اور وہاں پر ایک
مقدار کثیر مسلمانوں کے جمع ہوجانے سے کفار مکہ کو تشویش پیدا ہوئی اور نجاشی کے پاس جاکر
مسلمانوں کو اُن کے سپرد کردینے کی درخوست کی جسکو نجاشی نے قبول نہیں کیا۔
گو کہ حبشہ میں مسلمانوں کو امن ملی تھی مگر مکہ کے مسلمانوں کی حالت قابل اطمینان نہ تھی اور
اسوجہ سے رسول مقبول ہمیشہ دعا فرمایا کرتے کہ الٰہی اس دین کو ابوجہل یا عمر کے ایمان لے آنے
سے معزز کر۔ کسواسطے کہ یہ دونوں شخص قریش میں بہت ذی اثر تھے۔ حضرت حمزہ بھی جو کہ قریش
میں معزز اور شجاع مشہور تھے جبکہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے تو قریش میں بہت فکر
ہوئی اور عمر بن الخطاب آمادہ کیئے گئے کہ وہ اس دین کا خاتمہ کردیں چنانچہ اس قصد سے تلوار
گلے میں ڈالکر رسول مقبول کے خانۂ سعادت کو جاتے ہوئے یہ سنکر کہ اُن کی ہمشیرہ
فاطمہ اور فاطمہ کا شوہر سعید بھی مسلمان ہوچکے ہیں تو عمر نے قصد کیا کہ اول انکا خاتمہ کردینا چاہیئے۔
جبکہ وہ اپنی بہن کے گھر پر پہونچے تو اندر سے تلاوت قرآن کی آواز آئی سُنکر زور سے دروازہ کو
کھٹکھٹایا عمر کو اس طرح پر غضب آلودہ آتے دیکھکر گھر والے سہم گئے اور عمر نے داخل ہوتے ہوئے
پوچھا کہ کیا پڑہا جارہا تھا گو کہ سعید نے چھپایا مگر عمر نے یہ کہکر کہ شاید تم لوگ محمدؐ کے جادو میں آگئے ہو
اپنے بہنوئی کو زمین پر پٹکدیا اور جب فاطمہ نے اپنے شوہر کو بچانا چاہا تو اُس کے مونہہ پر اس زور سے

تھپڑ مارا کہ خون جاری ہوگیا۔ ان واقعات سے عمر کا غصہ کسیقدر فرو ہوگیا اور سکون کیحالت میں بیٹھ گئے اور خواہش کی کہ جو کتاب وہ پڑھتے ہیں مجکو بھی دیجائے فاطمہ وہ اوراق لے آئیں اور عمر کو دیدیئے۔ عمر نے انکو پڑھا تو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور رموز و معانی نے عمر کے دل میں حد سے زیادہ تاثیر کی اور آیت شریف (لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى) کو پڑھکر تو ایک گہرے غور اور فکر کی حالت میں ہوگئے۔ اور اپنی بہن کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ اے فاطمہ! یہ سب چیزیں کیا تیرے خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ جسکے جواب میں فاطمہ نے کہا کہ اس میں شک کیا ہے جسپر عمر نے کہا کہ ہمارے پانچسو سے زیادہ آراستہ و پیراستہ بت ہیں مگر وہ زمین پر کی موجودات میں سے ایک قیراط کے بھی خالق و مالک نہیں ہیں۔ آیت شریف (لا اله الا هو له الاسماء الحسنى) پر عمر کی نظر پڑنے سے دل ہاتھ سے جاتا رہا اور بے اختیار کلمۂ طیب زبان سے نکلنے لگا اور پوچھنے لگے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں تشریف فرما ہیں حباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر کو لیکر رسول اللہ کی خدمت میں پہونچے جبکہ حضرت عمر کو صحابہ کرام نے مسلح آتے ہوئے دیکھا تو پریشان ہوئے کسواسطے کہ حضرت عمر کی ہیبت تمام اہل مکہ پر غالب تھی۔ گو حضرت حمزہ نے کہا کہ خوف کی کیا بات ہے مگر تاہم صحابہ حضرت عمر کے دائیں بائیں ہولیئے اور اس طرح عمر کو حضور نبوی میں لے گئے جب رسول پاک کے روبرو پیش ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اسکو چھوڑ دو اور عمر بھی دوزانو آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ نے بازو پکڑکر فرمایا کہ عمر ایمان لاؤ حضرت عمر نے بخلوص دل تجدید ایمان کیا۔

حضرت عمر کے دائرہ فاخرہ اسلام میں داخل ہونے سے صحابۂ کرام حاضرین کو اسقدر خوشی

ہوئی کہ باوجودیکہ ایسی عادت نہ تھی مگر ایسی چلاکر تکبیر بلند کی کہ گلیوں تک میں اُس کی آواز پہونچی۔
یہ واقعہ یعنی حضرت عمر کا مسلمان ہونا حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے سے تین دن کے فاصلہ
سے ہوا اور ان دونوں واقعوں کے پیاپے وقوعات سے دین اسلام کو بہت قوت پہنچی۔
حضرت عمر کے دریافت کرنے پر جبکہ معلوم ہوا کہ اسوقت چالیس آدمی مسلمان ہیں تو
حضرت عمر نے فرمایا کہ اچھا چلیں اور حرم شریف میں اعلاء کلمۃ اللہ کریں۔
حضرت عمر کے اس کہنے پر سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح پر حرم شریف کو چلے
کہ سب سے اول حضرت عمر پھر حضرت علی اُن کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے
دہنے پر ابوبکر اور بائیں پر حمزہ اور باقی صحابہ کرام پس پشت تھے۔
سرداران قریش نے جبکہ حرم شریف میں جمع ہوئے اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ
کہ دیکھیے عمر کی طرف سے کیا خبر آتی ہے دیکھا کہ آگے آگے عمر اور اُن کے پیچھے رسول پاک آرہے
ہیں۔ ابوجہل گھبرا کر اٹھا اور بڑھ کر پوچھا کہ خیر توہے عمر یہ کیا بات ہے جس کے جواب میں حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ۔
حضرت عمر کی اس حالت اور اس شہادت پر سب قریش گھبرا گئے اور یہ پہلا دن تہا کہ مسلمانوں
نے صف باندھکر حرم شریف میں نماز ادا کی۔
جبکہ مسلمانوں نے یہ حالت پیدا کر لی جو کہ نبوت کی ساتویں سال میں تھی تو اہالی مکہ نے عہد
کر لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی شے نہ فروخت کی جاوے نہ اُن سے مول لیجائے۔
خلاصہ ماخوذ از کتاب قصص الانبیا و تواریخ صحابہ مصنفہ احمد جودت پاشا مطبوعہ

سنہ ۱۳ ہجری نبوی

رسول پاک کے زمانہ سعادت کے احوال ایسے موعظت انگیز اور حکمت آمیز ہیں کہ انکو جسقدر
شرح وبسط سے لکھا جائے اُسیقدر نفع رساں ہیں مگر افسوس ہے کہ زمانہ حال ہیں مضامین کی
طوالت نامقبول ہونے کے سبب سے ہیں سے نے بہت ہی مختصر اند کورہ بالا حالات اخذ کئے ہیں لیکن
تاہم طوالت ہو جانے کے خوف سے بقیہ واقعات کو جن کا شرح سے بیان کرنا بہت ہی ضرور
تھا نہایت ہی اختصار کردیا ہے یعنی صرف چند اہم واقعات ترتیب وار بیان کردیئے ہیں۔

نبوت کے نویں سال اوّل ابو طالب اور اُن کی وفات سے تین دن بعد حضرت خدیجہ نے
رحلت فرمائی۔ ابو طالب کی جگہہ پر ابو لہب سردار قبیلہ مقرر ہوا۔ آپ نے قریش کے ہاتھ سے
تنگ ہو کر طائف کو نضہت فرمائی۔ کفار طائف نے بہی آپ کی قدر او منزلت کے اندازہ کرنیں
کوتاہی کی حتےٰ کہ زید بن حارث رضی اللہ عنہ پتہروں کی مار سے زخمی ہو گئے۔ آپ وہاں سے
واپس تشریف لائے اور بطن نخلہ نام مقام پر قیام فرمایا۔ وہاں سے مکہ تشریف لائے اور مطعم بن
عدی کے مہمان ہوئے مطعم بن عدی نے آپ کی بہت کچہہ حفاظت کی اور اپنی بیٹی سودہ رضی اللہ
عنہ کا نکاح آپ سے کردیا۔

اس زمانے میں آپکا یہ دستور تہا کہ ایام حج میں سوق عکاظ کے میلے میں جو عرب اطراف
سے آتے آپ انکو دعوت اسلام کیا کرتے تھے۔

نبوت کے گیارہویں سال میں بھی ایام حج میں حسب عادت جب کہ آپ بیرون شہر
تشریف لے گئے اور مدینہ کے آنے والے مسافروں سے ملاقات ہوئی جو کہ خزرج قبیلہ میں سے تھے

اور خزرج وہ قبیلہ ہے جس کے اور قریش کے مابین مناکحت جاری تھی اور اس وجہ سے وہ باہم رشتہ دار تھے) جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ قبیلہ خزرج سے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ تاکہ ذرا باتیں کریں سب بیٹھ گئے آپ نے بعض مقامات سے قرآن پاک کو پڑھا اور اُنکو سُنایا اور دعوت اسلام کی وہی لوگ ایمان لے آئے جن کے نام نامی اور اسمائے گرامی یہ ہیں اسعد بن زرارہ۔ رافع بن مالک۔ عوف ابن حارث۔ قطبہ بن عامر۔ عقبہ بن عامر۔ حارث بن عبد اللہ ۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو انصار میں سب سے اول شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

حج کے موسم کے بعد یہ لوگ جب مدینہ میں واپس پہونچے تو اُنہوں نے اشاعت اسلام میں بہت کوشش کی اور خزرج قبیلہ میں سے گروہ کثیر دائرۂ فاخرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور قبیلہ اوس میں بھی اس کا اثر ہوا اُن میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے۔

نبوت کی بارہویں سال۔ ایام حج میں مدینہ سے خزرج اور اوس قبیلہ کے اور بہت سے لوگ مکہ مکرمہ میں آئے اور فخر کائنات کے ہاتھ پر عقد بیعت کیا جن سے یہ عہد لیا گیا کہ بعد ازیں شرک۔ زنا۔ چوری۔ افترا۔ سے پرہیز کیا جائیگا اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرینگے۔ کس واسطے کہ ایام جاہلیت کے عرب اپنی اولاد خصوصاً لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی سال میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی گئی۔

خزرج اور اوس قبیلہ کے مسلمانوں کی وجہ سے اطراف مدینہ میں اسلام کو بہت جلد ترقی ہوئی اور اُن لوگوں کی درخواست پر اصحاب نبوی میں سے مصعب بن عمیر آداب اسلام کی تعلیم کے واسطے مدینہ کو بھیجے گئے نبوت کی تیرہویں سال میں موسم حج میں اہالی مدینہ سے

بہتر مرد اور دو عورتیں اور مسلمان ہوئیں اور بیعت کی۔

اس کے بعد آپ نے مدینہ طیبہ کو ہجرت کا قصد فرمایا اور مسلمانان مکہ کو مدینہ جانے کی اجازت دی۔ محرم و صفر کے مہینے میں مہاجرین مدینہ طیبہ کو چلنے شروع ہوئے۔ کفار قریش نے یہ حال دیکھکر آپ کے شہید کر دینے کا قصد کیا اور اشتہار دیا کہ جو کوئی آپ کو ہلاک کریگا سو اونٹ انعام دیئے جائینگے۔

ربیع الاول کے مہینے میں آپ جبل ثور کے غار میں پوشیدہ ہو رہے اور فرصت کیوقت مدینہ طیبہ کو نہضت فرما ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں پہونچکر رسول اکرام نے دس دینار کو زمین خریدی اور مسجد کی بنا ڈالی۔

ہجرت کے دوسرے سال میں روزے اور زکوٰۃ کا حکم فرمایا۔ جنگ بدر۔ غزوۂ بنی قینقاع۔ غزوۂ سویق۔ غزوۂ قرقرہ اسی سال میں ہوئے۔ ہجرت کے دوسرے سال میں غزوۂ اُحد وغیرہ دو چار لڑائیاں لڑی گئیں۔

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق۔ غزوۂ بنی قریظہ۔ غزوۂ غابہ واقع ہوئے۔

ہجرت کے چھٹے سال میں۔ غزوۂ بنی المصطلق۔ عمرۃ الحدیبیہ * کیا گیا۔

---

* حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے نو منزل اور مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہاں پر ایک گانوں بھی تھا مگر اب نہیں ہے

فخر عالم نے ہجرت کے چھٹے سنہ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا آپ مکہ تشریف لے گئے ہیں اور کعبہ کی کنجیاں آپنے لے لی ہیں۔ اس خواب سے صحابۂ کرام کو یہ خیال ہوا تھا کہ غالباً اس سال میں آپ ضرور مکہ کو جائینگے۔ مگر آپنے زبان مبارک سے اس کی بابت کچھہ ارشاد نہیں فرمایا۔

ذیقعدہ کے مہینے میں ایک ہزار چار سو سے زیادہ صحابہ کی معیت میں معہ بہت سے اونٹوں کے قربانی کے لئے رسول اکرم مکہ کیطرف روانہ ہوئے۔ جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے احرام باندھا۔

جب یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے اس غرض سے کہ گروہ نبوی کو مکہ میں نہ گھسنے دیں بلاح نام مقام پر اپنا لشکر جمع کیا خالد ابن الولید اور عکرمہ بن ابی جہل کو معہ دو سو سپاہیوں کے طلیعہ نام مقام پر مقرر کیا۔

غدیر الاشطاط نام موقعہ جو حدیبیہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جب آپ پہنچے تو مخبرِ اسلام نے قریش کا ارادہ اور تیاری کی آپ کو خبر دی۔ حضرت پیغمبر چونکہ بہ تہیۂ جنگ گھر سے نہیں چلے تھے اسوجہ سے کوئی سامان حرب سوائے ایک ایک جنبیہ کے ہمراہ نہ تھا اس خبر کے سنے پر راستہ سے سیدہی طرف کو ایک دشوار گذار پہاڑی پر قبضہ کرلیا اور وہاں پر قیام فرمایا اسی عرصہ میں کفار قریش حدیبیہ تک آچکے تھے اور حدیبیہ اُسی پہاڑی کے نیچے واقع تھا سید الکائنات نے اپنے اس منشا کو سمجہانے کے واسطے کہ ہم لڑنے کی غرض سے نہیں آئے ہیں خراش بن اُمیہ صحابی کو قریش کے پاس بہیجا مگر اُن کی تحقیر کیے جانے کے سبب سے وہ واپس آگئے اور بجائے اُن کے حضرت عثمان کو بہیجا جن کے استقبال و تعظیم کے بعد اُن کو نظر بند کرلیا گیا۔

قریش نے خزاعہ قبیلہ میں سے ایک شخص بدیل بن ورقہ کو معہ کچہہ ہمراہیوں کے حضور نبوی میں اس غرض سے بہیجا کہ آپ کے آنے کا اصلی منشا کیا ہے۔ جسکا جواب یہی دیا گیا کہ صرف بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے ہم آئے ہیں۔ بدیل جب واپس آگیا تو اُس نے قریش سے بہت کوشش کی کہ اُن کے اور گروہ نبوی کے مابین مصالحت ہوجائے۔ مگر کچہہ فائدہ نہیں ہوا اور عروہ بن مسعود ثقفی کو مکرر اسی سوال کے واسطے قریش نے بہیجا اُس کو بہی وہی جواب دیا گیا جیسا کہ بدیل کو دیا تہا۔ عروہ نے واپس جاکر اُس احترام اور ادب کا بڑی حیرت سے بیان کیا جو اُس نے صحابہ کرام کو رسول اللہ کے ساتہہ کرتے دیکہا تہا۔

قریش کے لشکر میں جب لوگوں کا یہ منشا معلوم ہوا کہ حج کے آنے والوں کو روکنا نہیں چاہیئے تو قریش نے مجبوراً استدعار مصالحت کے واسطے سہیل بن عمرو کو قافلۂ اسلام میں بہیجا۔

صلح کی گفتگو میں بہت کچہہ مباحثہ رہا اور اُسی اثنا میں سہیل نے یہ بہی خواہش ظاہر کی کہ اس سال حج ملتوی رکہا جائے اور آیندہ سال میں جب آپ معہ صحابہ کے تشریف لائیں تو تین دن کے واسطے ہم شہر سے باہر نکلجائینگے

اور آپ تین دن تک شہر میں رہیں مگر تین دن سے زیادہ قیام نفرمائیں اور یہ بھی کہا کہ ہمارے مابین دس برس تک کی صلح کا معاہدہ ہوا اور اس صلح کی مدت میں اگر کوئی قریش مسلمانوں کے پاس پناہ لینے جائے تو اُسکو پناہ نہ دیجائے اور اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس پناہ لینے آئے تو اُسکو واپس نہ مانگا جائے۔

ان شرطوں کی سختی کی وجہ سے اصحاب کرام میں کسی قدر گفتگو پیدا ہوئی مگر رسول پاک نے قبول فرمالیا اور حضرت علی کو صلح نامہ لکھنیکا حکم دیا۔

مضمون صلحنامے کے ارشاد فرماتے وقت (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کے لکھےجانے پرسہیل نے اعتراض کیا اور کہا کہ عادت قریش کے مطابق (باسمک اللھم) لکھا جانا چاہیئے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ایسا ہی لکھو یعنی باسمک اللّٰہم جب حضرت علی نے یہ کلمات لکھے (ھذا ما صالح محمد الرسول اللہ) تو سہیل نے پھر اعتراض کیا اور کہا کہ بجائے محمد الرسول اللہ کے محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ رسول پاک نے حکم دیدیا کہ اُس کے کہنے کے موافق ہی لکھا جائے۔ مگر حضرت علی نے یہ کہکر کہ میں رسول اللہ کے کلمہ کو نہیں کاٹ سکتا ہوں اُن کلمات کے کاٹنے سے انکار کیا تو آپنے یہ فرما کر کہ ان لوگوں کے میری رسالت کی تصدیق نہ کرنے سے میری رسالت میں کچھ فرق نہیں آسکتا اپنے ہاتھ سے اُن الفاظ کو مٹا دیا اور حضرت علی سے فرمایا کہ تجھ پر بھی ایک دن ایسا ہی آنیوالا ہے۔ اس مصالحہ کی تکمیل کے بعد ابو جندل بن سہیل جو اول مسلمان ہوچکا تھا مگر باپنے اُسکے بیڑیاں ڈالکر گھر میں بند کر رکھا تھا کسی طریقہ سے بھاگ کر اور بیڑیوں سمیت گھسٹ گھسٹا کر حضور نبوی میں جا پہنچا۔ سہیل اُسوقت وہیں پر موجود تھا اُسنے اپنے بیٹے کو تھپڑ لگائے اور رسول مقبول سے کہا کہ صلحنامہ کی شروط کے ایفا میں یہ بات داخل ہے کہ یہ میرے حوالے کر دیا جائے رسول پاک نے اُسکے قول کی تصدیق کی اور وہ اپنے بیٹے ابو جندل کو مارتا ہوا لشکر اسلام سے لیچلا۔ ابو جندل نے جبکہ فریاد کی کہ میں مسلمان ہوں اور کہا کہ کیا یہ لائق ہے کہ مجکو اعداے دین کے حوالہ کر دیا جائے تو آپنے اُسکو اور نیز دیگر صحابہ کو صبر کرنے کا حکم دیا۔ اصحاب کرام کو مذکورہ بالا خواب کی وجہ سے بڑا یقین تھا کہ امسال وہ ضرور زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوں گے مگر جب کہ حالت کی یہ صورت ہوئی تو سب کو بڑا افسوس ہوا صلح کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانیوں کو ذبح کر ڈالا اور وہیں پر حجامت بنوالی اور پھر طیبہ کو واپس تشریف لے گئے۔ (خلاصۃً ماخوذ از جلد پنجم کتاب مراۃ العبر)

ہجرت کے ساتویں سال میں غزوۂ خیبر۔ بعض ملوک کو خطوط کا بھیجنا۔ عمرۃ القضا † وقوع میں آئے۔

ہجرت کے آٹھویں سال میں ذیل کے واقعات ظہور میں آئے۔ خالد ابن الولید کا مشرف باسلام ہونا۔ غزوۂ موتہ۔ نقض صلح من جانب کفار عرب و فتح مکہ۔ غزوۂ حنین۔ حصار طائف۔

ہجرت کے نویں سال میں ذیل کے واقعات ہوئے۔ سریہ قطبہ۔ غزوۂ تبوک۔ سریہ خالد ابن الولید۔ ہدم مسجد ضرار۔ اسلام ثقیف و ہدم اللات۔ حج ابی بکر الصدیقؓ۔ نویں سال ہجرت میں حجۃ الوداع سب سے بڑا اور اہم واقعہ تھا اور اس حج میں آپ کے شریک صحابۂ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ (اشہد ان محمداً لرسول اللہ)

ان واقعات پر غور کرنے سے جو سب سے اول ہمکو نصیحت ملتی ہے وہ زمانے کے مناسب کام کرنا ہے۔ حالانکہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں یہ بات موجود نہیں ہے۔

قبل نبوت کے حضرت خدیجہ کے اموال کی تجارت کو بطور شریک یا ایجنٹ کے منظور کر لینا اور پھر اسکو باحسن طرق انجام دینا۔ حضرت خدیجہ سے ازدواج کے بعد تا حالت حیات اُن کے دوسرا نکاح نکرنا۔ بعد بعثت کے ابتدا میں مخفی اور پھر علانیہ مگر صرف گھروں کے اندر اوامر الہی کی تعلیم مخالفوں کی تکالیف

---

† حدیبیہ کے مصالحت کے بعد اہل اسلام کا زیارت بیت اللہ کے واسطے آنا اس سال کے اوپر قرار پایا تھا چنانچہ فخر عالم نبی برحق دو ہزار صحابۂ کرام کی معیت سے مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مکہ کے قریب پہونچے تو مصالحت نامہ کے بموجب قریش نے شہر کو خالی کر دیا اور آپ معہ خدم و حشم کے تین دن تک مکہ میں رہے طواف کعبہ و سعی بین الصفا و المروہ کر کے بعد تین دن کے مکہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ طیبہ کو واپس تشریف لے گئے۔ (ماخوذ از مراۃ العبر جلد پنجم)۔

کے سبب سے صحابہ کو ہجرت حبشہ کی اجازت حضرت عمرؓ کے ایمان لے آنے کی آرزو اور جبھی کہ وہ مشرف
باسلام ہوئے حرم شریف میں آکر علانیہ عبادت الٰہی کرنا۔ ابوطالب کی وفات کے بعد مخالفین اسلام
کے یورش سے طائف کی طرف چلا جانا اور بوجہ عدم حصول مقصود پھر لوٹ آنا۔ اہل مدینہ کے مشرف
باسلام ہونے اور اطراف مدینہ میں دین اسلام کی طرف عام رغبت دیکھکر مدینہ طیبہ کی ہجرت کا قصد
فرمانا۔ اور اول سے صحابہ کو بھیجکر بعد چندے اپنا تشریف لیجانا۔ آخر میں عمرۃ الحدیبیہ اور پھر عمرۃ
القضا اور حجت الوداع یہ تمام ایسی باتیں ہیں کہ ٹھیک اقتضار وقت کے موافق تھیں۔ اور رسول مقبول
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر وقت کے مناسب اپنی قوت یا ضعف کا نہایت ہی ٹھیک اندازہ کیا
تھا اب حالت یہ ہے کہ اپنی قوت یا حالت کا اندازہ ایسا فراموش کر دیا گیا ہے کہ گویا محض غیر ضروری
شے ہے اور اقتضار وقت یا مناسب حال عمل کرنا اسلام کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

جو فتوح یا ترقیاں اسلاف رضی اللہ عنہم نے کیں انکا نشہ اس وقت ہمارے دماغوں میں
ایسا چھایا ہوا ہے گویا کہ وہ ہمارے ہی ہاتوں سے ہوئیں اور اسوجہ سے ہم کو کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ
کرنا کیا چاہیئے یا زمانے کا اقتضار کیا ہے۔

گذشتہ سال میں مابین مسلمانوں اور ہندؤں کے جو بلوہ بمبئی میں ہوا اور جب کہ اُس کے
فرو کرنے کے واسطے انگریزی فوج آئی تو مسلمانوں نے اُس سے بھی ویسا ہی مقابلہ کیا جیسا کہ ہندؤں
سے کر رہے تھے اور اس بات کو بالکل فراموش کر دیا کہ اس وقت اس فوج کا اعلیٰ مقصود یہ ہے کہ امن
قائم ہو جس سے بہت بڑا فائدہ مسلمانوں کا تھا کیونکہ اسوقت ہندؤں کے ہاتھ سے مسلمانوں کی ذلت
اور تباہی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں نے اسوقت تک بالکل اندازہ نہیں کیا ہے کہ انگریزی

گورنمنٹ اور انگریزوں کا اقتدار اُن کے حق میں کس قدر رحمت اور ضروری شئے ہے۔ اور محض نادانی سے تمام مسلمان ممبران کونسل نے بھی وہی طریقہ کام کا اختیار کیا ہے جو ملک کے مضر اور حقیقت کے خلاف یعنی کانگریس پارٹی کا ہی مسلمان اپنی حماقت سے سمجھے ہوئے ہیں کہ اب بھی وہ دنیا کو اُسی طرح سے حیرت میں ڈال سکتے ہیں جیسا کہ کسی زمانے میں اُن کے اسلاف نے متحیر کر دیا تہا اور یہ بات بمشکل اُن کے ذہن میں آتی ہے کہ اب آہنی شمشیر سے کام کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔ بلکہ شمشیر قلم سے کام کرنے کا زمانہ ہے اُنہوں نے ابتک یا تو فیصلہ ہی نہیں کیا ہے یا غلط فیصلہ کیا ہے اس بارہ میں کہ وہ کون سا طریقہ ہے کہ جس پر عمل کرنے سے وہ اپنی عزت بھی قائم رکہہ سکیں اور جسپر عمل کرنے سے وہ اپنے ہمسایہ اگر قوی ہمسایہ کے ساتھہ بدسلوکی کرنے والی قوم کے الزام سے بھی بری رہ سکیں اور جسپر عمل کرنے سے وہ برٹش تاج کی ایسے ہی خیر اندیش اور قوت بازو سمجھے جانے کے سچے مستحق ہوں جیسا کہ کوئی انگریز ہو سکتا ہے اور جسپر عمل کرنے سے اُن میں اور انگریزوں میں دلی محبت اور ہمدردی کو روز افزوں ترقی ہو۔ اور جسپر عمل کرنے سے وہ ٹوٹے ہوے جہاز کو کنارۂ سلامت پر لیجا سکیں۔

اگر ہم لوگ اپنی قوت کا اندازہ اور اقتضاء وقت کے مناسب عمل نہیں کرینگے تو ہم اُس راستہ سے بہت ہی دور ہو جائینگے جو رسول برحق محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمایا تہا اور بیشک ہم کبھی ترقی نہیں کر سکینگے بلکہ روز بروز تنزل و تباہی و پریشانی ہم پر مستولی ہوتی جائیگی۔

سوائے اقتضاء وقت پر عمل کرنے کے ہم اور بات میں بھی فرق پاتے ہیں۔ یعنی عزم سیلف ہیلپ یا سیلف ریسپکٹ میں جو مصائب کہ اُس زمانے کے مسلمانوں پہ ہوئے ہم پر تو اُسکا ہزارواں

حصہ بھی مصیبت نہیں ہے مسلمان صرف اسوجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں مارے باندہے جاتے تھے
اُن سے داد وستد بند کی جاتی تھی روز کی تحقیر و تذلیل میں کوئی درجہ باقی نہیں رکھا جاتا تھا۔ مگر وہ
لوگ نہ تو اپنے عزم و ارادے سے باز آتے تھے اور نہ مایوس ہوتے تھے۔ ایک راستہ اگر بند ہو جاتا
تھا تو دوسرا راستہ اپنے واسطے کھولنے کی کوشش کرتے تھے۔ گو اعتقاداً قسمت کے قائل ہوں
مگر حقیقت میں گویا کہ قسمت سے لڑتے تھے یعنے ہزاروں مصیبتیں بھی اُن کے شگفتہ دلوں کو مایوس
نہیں کر سکتی تھیں اب حالت اُس کے بالکل خلاف ہے۔ ملک میں امن اور عافیت ہے ترقی کے
وسائل کھلے ہوئے ہیں مذہب سے کوئی متعرض نہیں ہے بلکہ تعرض کرنے والوں کو سزا ہوتی ہے۔
اپنی نیند سونے اور اپنی نیند اٹھنے کا عیش بھا زمانہ موجود ہے۔ مگر مسلمانوں کے دلوں پر ایسی مایوسی
چھائی ہوئی ہے کہ گویا اُنکا یہ آخری وقت ہے ادنی ہو یا اعلیٰ غریب ہو یا امیر جاہل ہو یا عالم ہر ایک
پر ایک عجیب بے دلی سوار ہے ہمارے بہادر ہمسایہ قومیں اپنی قابلیت جتا کر اور اپنی تعلیم کو بڑھا کر
گورنمنٹ سے اپنے حقوق مانگ رہی ہیں اور ہماری کسی طرح پر یہ التجا ختم ہی نہیں ہوتی کہ گو ہم
بے علم ہیں مگر گورنمنٹ ہماری قدر کرے ہم پڑھے ہیں یا نہ پڑھے ہیں مگر ہم کو عہدے ملیں گورنمنٹ ہزار
ہزار طرح سے ٹیک لگا رہی ہے مگر ہم ہیں کہ گرے جاتے ہیں۔ کاش وہ دن قریب آئے کہ ہم صفحۂ
ہستی سے مٹ جائیں اور دین الحق یعنے اسلام اُن بہتانوں سے نجات پائے جو ہمارے سبب سے
اُس پر لگ رہے ہیں۔

ایک عجیب مسئلہ مسلمانوں کی مانعات ترقی کے متعلق

عالم اسلام۔ دنیائے اسلام۔ ایسے مختلف المزاج و الکیفیۃ مگر متحد الحالت اجزا سے مرکب ہے کہ

جسکو دیکھہ کر حیرت ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان کے باہر قدم نہ بھی رکھو تاہم عجیب حالات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ایک گروہ علمار اہل حدیث کا ہے جن کو دعوی اتباع سنت ہے اور اور جو کہ قران وحدیث کے سوا کسی دوسرے کے قول پر عمل کرنے کو ضلالت یا نامناسب تصور کرتے ہیں۔ ایک گروہ دوسرے علما کا ہے جو کہ تقلید ائمہ کو لازم اور ضروری شے جانتے ہیں اور اسپر عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک گروہ عوام کا ہے جو مولویوں کے اقوال کو واجب العمل جانتا ہے۔ دنیا میں سب کچھہ کرتا ہے اور خدا سے توبہ بھی کرلیتا ہے یا اُسکا اعتقاد ہے کہ خدا جو چاہے کرلے ہم اُس کے ناچیز بندے ہیں۔ ایک گروہ شیعہ کا ہے جن کے یہاں ہر زمانے میں کوئی مجتہد رہتا ہے اور جو وہ حکم کرے اُسکو رضائے الہی یا امور شریعت کے واسطے کافی خیال کرتے ہیں ایک گروہ بوہرہ یا اسماعیلیہ فرقہ کا ہے جن کا اعتقاد یہ ہے کہ انسان کو عبادت الہی بھی کرنا چاہیئے مگر اُس کو جنت ملجاتی ہے جب کہ اُنکا پیشوائے وقت سفارش کردے۔ ان کے سوا مسلمانوں میں ایک گروہ خوجہ لوگوں کا ہے جن کے یہاں سب سے زائد آسانی ہے یعنی نماز۔ روزہ۔ حج وغیرہ سب کی قیمت معین ہے جو اُن کے سب سے بڑے عالم کو (جسکا تقرر ایک مخصوص خاندان میں سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے) دیدیئے جانے سے انسان بعد موت کے مسؤل نہیں ہوسکتا اور اسی طرح پر ہر ایک گناہ کے کفارہ کی قیمت معین ہے ہر ایک ایسا شخص جس نے یہ ٹیکس ادا کردیا ہے اسی طرح جنت میں جانے اور نعمائے جنت کا مستحق ہے جیسا کہ دوسرے اعتقاد والونکا عابد۔

لیکن حیرت یہ ہے کہ یہ سب کے سب دنیوی حالت میں یکساں پریشانی درتباہی یا تنزل اور عدم ترقی میں ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ باعث تنزل مسلمانان کا عدم پابندی شرع ہے۔ وہ اسکا کیا جواب دیتے ہیں کہ پھر علمار اہل حدیث یا دوسرے علما کیوں پستی کی حالت میں ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پابندی مذہب ورادائے ارکان شریعت میں توغل مانع ترقی ہے وہ معتقدین خوجہ کا بھی اُسی لیول میں ہونے کی کیا وجہ بیان کرینگے۔ بمبئی کے مسلمان اقوام میں سوُد لینے کا علی العموم رواج ہونے کے سبب سے اموال کی زیادتی تو ضرور ہے مگر وبار تنزل ورثاست میں وہ بھی ویسے ہی ہیں جیسیکہ اور حصۂ ہند کے مسلمان جو کہ سود نہیں لیتے۔ غرض یہ ہے کہ مسلمانوں میں ہر ایک قسم کا فرقہ یا عقیدہ والے موجود ہیں۔ لیکن سب کے سب ہر روز کچھ نہ کچھ نیچے کو گر رہے ہیں۔

ان قطعی متضاد کیفیتوں کو یکساں حالت میں دیکھنے سے اس طرف خیال رجوع ہوتا ہی کہ اُن حالتوں کو ڈھونڈیں جو ان سب میں مشترک ملتی ہوں۔ کیونکہ ضروری وہی شے ایسی ہوگی جو سب کو پستی کی طرف اتنے نیچے لیئے جاتی ہے۔

ایسی مشترک شے جسپر سب سے اوّل خیال جاتا ہے وہ مذہب اسلام ہے یعنی یہ سب کے سب فرقے گو افعال واعتقادات میں کیسے ہی مختلف کیوں نہوں مگر ایک خدا اور ایک ہی رسول اور ایک ہی کتاب آسمانی کے اوپر ایمان رکھنے والے ہیں۔ لیکن ہم مذہب اسلام کو باعث تنزل نہیں قرار دیسکتے کیونکہ اسی خدا اسی رسول اور اسی کتاب آسمانی پر ایمان رکھنے والے فرقوں نے ایسی دنیوی ترقی کی ہے جس کی تاریخ کو زمانہ بھولا نہیں ہے اور نہ فراموش کرسکتا ہے۔ اور اس وجہ سے ہمکو اقرار کرلینا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمانونکا باعث تنزل یا مانع ترقی مذہب اسلام

نہیں ہے۔

اس کے بعد ہماری نظر ایک اور صفت پر پڑتی ہے جسکو دنائت طبع یا فقدان اولوالعزمی کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بھی جمیع طبقہ کے مسلمانوں میں موجود ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جو ترقی کردہ مسلمانوں کے طبقہ میں نہیں پائی جاتی تھی۔

دنارت طبع یا اولوالعزمی کا مفہوم بیان کرنا فی حد ذاتہ ایک مشکل کام ہے۔ کیونکہ کیا اولوالعزمی کے معنے یہ ہیں کہ مسلمان اسی طرح بربھات میں تلواریں لے لیں جیسا کہ کسی زمانے میں مسلمانوں کا شیوہ تہا؟ اور کیا دنارت طبع اسکو کہتے ہیں کہ وہ غیر اقوام کی حکومت کو قبول کیئے ہوئے ہیں؟ لیکن ان دونوں باتوں کا جواب بصیغۂ نفی ہے یعنی نہ تو اولوالعزمی کے معنی ہیں جدال و قتال کے اور نہ دنارت کے معنے ہیں محکوم ہو کر رہنا مذاہب اجنبیہ کا۔

اسوجہ سے کہ یہ سب ایسی حالتیں ہیں جو پہلے مسلمانوں پر بھی گذری ہیں وہ لوگ شمشیر بکف اور مجاہد بھی رہے ہیں اور نہتے ناصح بھی وہ لوگ حکمراں بھی رہے ہیں اور محکوم ہو کر بھی علاوہ ازیں یہ ایسی کیفیتیں ہیں کہ جسقدر دائرہ تعداد وسیع ہوگا اسی قدر یہ مختلف حالتیں بھی پائی جائیں گی۔

یہ ناممکن ہے کہ مسلمان جہاں ہوں وہاں پر بطور حکمراں ہی کے ہوں۔ اور مسلمانوں پر کیا موقوف ہے دنیا کی تمام اقوام کا یہی حال ہے۔ عیسائی اقوام جنکی قسمت کے ساتھ ملک گیری وابستہ ہے ابتک کثرت سے محکوم حالت میں پائی جاتی ہیں۔ بڑا احمق ہو گا وہ مسلمان جو اولوالعزمی کے معنی صرف حکمرانی کے سمجھتا ہو گا۔ پھر اولوالعزمی کے معنی کیا ہیں۔

انسان جس حالت میں ہو فضل اور اعلیٰ ہو یا افضل ہونیکا خواہاں ہو۔ گو ہزار مایوسیاں ہوں جو کہ ہر ایک امید کے ساتھ میں وابستہ ہوتی ہیں مگر اُن پر غالب آنیکا کوشاں رہے۔ بجائے اس کے دوسرے کے پس خوردہ کو کھا کر خاموش بیٹھ رہنے پر قناعت کرے۔ یہ قصد رہے کہ ہماری قوت بازو سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ یہ ہیں میری رائے میں اولوالعزمی کے معنی اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہی خصلت ہندوستان کے کسی کونے کے مسلمان اور کسی اعتقاد والے مسلمان میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اور ہمکو اسباب کا دعوی ہے کہ ترقی کرنے والے مسلمانوں میں یہی خصلت تھی جو بکثرت پائی جاتی تھی۔ اسوجہ سے موجودہ مسلمانوں میں عدم ترقی کا باعث صرف یہی ہے نہ کچھ اور۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ دنارت طبع نے (جو ضد ہے اولوالعزمی کی) مسلمانوں پر یہاں تک احاطہ کر لیا ہے کہ اسوقت تک اُنہوں نے اس بات کے فیصلہ کرنے کی نسبت خیال بھی نہیں کیا ہے کہ اُن کو کیا کرنا یا کیا ہونا چاہیئے۔ صفت اولوالعزمی کے فقدان کے سبب یا تو شکم پروری پر قانع ہیں یا حسد اور رنج میں مبتلا ہیں اور قسمت کو پیٹے جاتے ہیں

بجائے اسکے کہ وہ اپنی ہمسایہ قوم ہندو یا پارسی کی ترقی تعلیم یا ازدیاد جاہ سے غیرت اور عبرت حاصل کریں اور اپنے آپ کو اُنسے زیادہ لائق ثابت کریں وہ اسکو اپنی معراج سمجھے ہوئے ہیں کہ اسلاف کے کارنامے بیان کر کے اپنے موہنہ سے میاں مٹھو بنے رہیں۔

بجائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو ہندوستان کا ایسا روشن ستارا بنا دیں کہ انکے سوا کسی دوسرے پر نظر نہ پڑے۔ اس پر مر رہے ہیں کہ گورمنٹ اُن پر خواہی نخواہی بھروسہ کیوں نہیں کرتی۔ بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو دائمی اور عملی کانگریس کا مخالف۔ کانگریس کے اصول

کا مخالف ثابت کریں۔ ایسی باتیں بھی ضرور کرگذرتی ہیں کہ کانگریس پارٹی کے چند ووٹ حاصل کرنے سے آنریبل ممبر بنجائیں۔

بجاے اس کے کہ اس آرزو میں مرے جارہے ہوں کہ حکام وقت یا انگریز اُن کی خاطر و عزت کریں اور بجاے اس کے کہ اُن کی عدم توجہی کی شکایت کی پوٹ باندھیں پھریں کیوں نہیں اپنے آپ کو اس لائق کرتے ہیں کہ انگریز ہم کو اپنی سوسیٹی میں شامل کرنے میں ویسا ہی فخر کریں جیسا کہ ہمکو اُن کی سوسیٹی میں شامل ہونیکا ہوتا ہے۔

علما یا اغنیا کی گوشہ نشینی شاید ایک کی عاقبت اور دوسرے کی دنیا سنوارنے کے واسطے کافی ہو مگر عام مسلمین کے کسی کام کی بھی نہیں ہے اور ان دونوں کا عدم و وجود یکساں ہے بڑا فخر ہے بڑا غل ہے کہ مسلمانوں نے مدرستہ العلوم علی گڈہ بنا لیا۔ اتنے لڑکے پڑھتے ہیں یہ ہے اور وہ ہے۔ میرے نزدیک تو اگر یہ بات فخر کے قابل ہے تو صرف سید احمد خاں کیواسطے ہے جنکی اکیلے کی قوت بازو نے یہ کرشمہ دکھایا ہے ورنہ ایک مدرسہ اور اُسکا اسطرح کھنڈر کیحالت میں پڑا رہنا ایک سخت ذلت کی بات ہے نہ کہ کسی با ارادہ قوم کے واسطے فخر کی۔

بڑی خوشی ہے کہ کونسلوں میں مسلمان بھی الیکٹ ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک تو کوئی بھی ذلت اور کوئی بھی خواری اور کوئی بھی دنارت مسلمانوں کے واسطے اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی کہ اُنہوں نے مسلمانوں کی عزت اور حقوق کو چند ووٹوں کے عوض میں فروخت کیا بیشک سب سے اول مسلمانوں کا یہ فخر ہے کہ وہ ممبر کونسل ہوں بذریعہ نامی نیشن کے یا وہ الکیٹ ہوں اُن لوگوں کی رایوں سے جن کے قائم مقام وہ کیئے جائیں گے یا آخری فخر یہ ہے کہ مسلمان

کونسل کی ممبری کی آرزو کو دل سے نکال ڈالیں۔ بوجہ اُس بہرسے کے جو انگریزی گورنمنٹ اور
انگریزی انصاف پر اُنکو ہونا چاہیئے بوجہ اس کے کہ کانگریس پارٹی کے غلبۂ تعداد کے مقابلہ میں وہ
کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اپنے آپ کو قابل بنانے کی کوشش کرنے کے واسطے مہلت ملنے کے
لیئے نہ بوجہ قناعت اور پست ہمتی کے۔ کیا بمبئی کے مسلمان درحقیقت تعریف کے مستحق ہیں صرف
اُس چھوٹے سے سکول کی عمارت کی وجہ سے جو وکٹوریہ ٹرمینس کے مقابلہ میں ہے یا اُن چھوٹے
چھوٹے مکتبوں پر جو بمبئی کے بعض محلوں میں اُن کے ہاتوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ کیوں نہیں بمبئی
مدراس۔ کراچی اور کلکتہ کے مسلمان فن جہازرانی کی تعلیم کیواسطے اسکول کہولتے اور کیوں اُن عربوں
کی تقلید نہیں کرتے جنہوں نے اس فن جہازرانی کے ذریعے سے اپنے زمانے میں لاثانی ترقی کی تھی
کیا انجمن حمایت اسلام لاہور نے جو کچھ کیا ہے وہ بس ہے اور کیا اس قلیل سرمایہ اور حقیر عمارت
کے اوپر وہ حقیقت میں فخر کرسکتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ اُسکا کالج مدرسۃ العلوم علی گڈہ کی خیالی
عمارت سے بھی عظیم اور رفیع نہ بنا دیا جاوے۔ کیا وجہ ہے کہ کالج کلاسوں کی فیسوں کے بڑہ جانے کے
سبب سے عام سوگ کیا جائے۔ بیشک بہت سے بیچارے غریب لوگ اس کے سبب سے تعلیم سے محروم
رہجاوینگے لیکن اُنسے تعداد میں بہت زیادہ ایسے مسلمان موجود ہیں جو کہ اس سے زیادہ فیس دیکر اپنی
اولاد کو تعلیم دلاسکتے ہیں اگر ایسا کرنا چاہیں یا آنکہ روپیہ جمع کرکے ان غریبوں کی مدد کرسکتے ہیں
یہ غلط ہے کہ مسلمان مفلس ہیں مگر بات وہی ہے کہ ہر ایک شخص پر۔ ہر ایک طبقہ پر دنارت غالب و
اولوالعزمی مفقود ہے۔

۳۰ / ۵ / ۱۹۱۰   سمعیل ایل

اشتہار

مطبع ہذا میں ہر قسم کا کام نہایت خوبی اور عمدگی اور کفایت سے ہو سکتا ہے اور ہر قسم کی کتب نقد روپیہ بھیجکے یا بذریعہ ویلیو پیبل کے طلب کرنے سے مل سکتی ہیں محصول ڈاک و خرچ رجسٹری خریداروں کو ادا کرنا ہوگا

(محمڈن پریس علیگڈھ)

کتاب	قیمت
مجموعہ طب منظوم فارسی اسمین رسالہ قارورہ و رسالہ نبض و تنظیم الادویہ مصنفہ سرآمد حکماء زمان مفتی الٰہی بخش مرحوم ساکن کاندھلہ ضلع مظفرنگر شامل ہیں نبض و قارورہ کی متعلق حسن توضیح سے مصنف ممدوح نے لکھا ہے کسی درسی کتاب میں اوسکا پتہ نہیں اور تنظیم الادویہ میں وہ ادویہ اور اوسکا ترجمہ بیان کیا ہے جو عموماً کتب طب پائی جاتی ہیں	۸ر
زنان اسلام - یہ ایک نادر کتاب ہے جو ایک ترکی عورت کی تصنیف ہے اوسمیں مسلمان عورات کی متعلق جسقدر اعتراضات یورپین اقوام کرتی ہیں اوسکا جواب شافی دیا ہے - زیر طبع	
شکوہ بندہ معہ قصیدہ الغبانیہ وغیرہ	۲ر
مسدس حالی معہ ضمیمہ و فرہنگ زیر طبع	۱۲ر
بیوہ کی مناجات	۲ر
سفرنامہ روم و مصر و شام مولفہ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ	عہ
اسکا طبع دوم کا حق راقم نے لیلیا ہے جو صاحب پیشگی قیمت ارسال فرمائینگے اونکو ½ قیمت نصف کردی جاویگی اور بعد طبع ہم جلد سے زیادہ کے خریداروں کو عسہ فیصدی کمیشن دیا جاویگا	
تاریخ بدء الاسلام مصنفہ مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ	۴ر
پارہ طبقات محمد بن سعد واقدی بعثت رسول اللہ صلعم الرسل بکتبہ و ذکر وفادات العرب ـ	۸ر
الجزیہ ... مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلوی معہ ترجمہ فارسی	۲ر
تفسیرات نثر و انتخاب نظم	۲ر
ترجمہ کتاب الحقوق از احیاء العلوم	شر
ترجمہ کتاب الصدق از احیاء العلوم	شر
ترجمہ تاریخ بدء الاسلام مصنفہ مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم	۳ر
تحریر فی اصول التفسیر مکاتبات محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان شامل ہیں قیمت	۶ر
نصرۃ الاسلام عن شین الامۃ و النعام رسالہ ابطال غلامی	۲ر
مکاتبات امام غزالی	۸ر
ترجمہ فارسی پارہ طبقات محمد ابن سعد کاتب الواقدی در ذکر فرستادن رسول اللہ نامہا باطراف و رسیدن وفود	۶ر
نظم الممالک ترجمہ اقوم المسالک	صر
سفرنامہ سید احمد خان بابت سفر پنجاب	سے
آیات بینات معارضہ مذہب شیعہ مصنفہ مولوی سید مہدی علی کتاب المحبت والشوق ترجمہ از احیاء العلوم	۸ر
اعجاز التنزیل مصنفہ وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر سی آئی ای وزیر ریاست پٹیالہ درباب اعجاز قرآن	سے
وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر عہد شاہجہان اورنگزیب ترجمہ از انگریزی باضافہ مفید حواشی کے مولفہ مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین خان بہادر فارن منسٹر ریاست پٹیالہ	
کتب خانہ اسکندریہ مصنفہ مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ	۵ر
مثنوی صبح امید مولفہ مولانا مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ	۴ر
المامون حالات مامون رشید مولفہ مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم	۴ر
سیرۃ النعمان مولفہ مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم	عہ
ترقیم فی قصہ اصحاب الکہف و الرقیم	۶ر
ازالۃ الغین عن ذی القرنین یعنی قصہ ذوالقرنین مطابق قرآن مجید	۴ر
رسالۃ الدعاء و الاستجابۃ قیمت	۲ر
تفسیر الجن و الجان علی ما فی القرآن	۴ر

۲۹۷

اسمعیل، محمد خان — گذشتہ اور موجودہ

۱۸۹۵ء

Date	No.	Da[illegible]

Extract
from the
RULES of the
LYTTON LIBRARY,
MUSLIM UNIVERSITY,
ALIGARH.

The under mentioned shall be eligible to take books the Library :—

A. "Members of the Court

B. "Members of the University teaching staff, including the Librarian.

C. Students on the rolls of the University

D. Other persons, wheather connected with the University or not, who have obtained special permission of the Pro. Vice-Chancellor on deposit of Rs. 25.

2 The maximum number of books that may be borrowed at any one time is.

[In Rule 21] { A & B...2 volumes
D ...15
C { MA, &M.Sc, 4 volumes
All others 2 ,,

4. Books may be retained by—
[In Rule 21] { A & B for one month
C & D ,, 14 days

6. Books lost, injured or defaced in any way by any other borrowers must either be replaced or the price paid for. In case a book belongs to a set or series and a single volume is not procurable the whole set or series must be replaced.